بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا وَبَعَثَهُ رَحْمَةً لِلنَّاسِ لِيُعَلِّمَهُمْ مِنَ الْمَعَارِفِ وَالْحِكَمِ خَيْرًا كَثِيرًا فَصَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِ وَسَلَامُهُ كَمَا حَلَّانَا بِمَكَارِمِ الْأَخْلَاقِ وَمَحَاسِنِ الْأَعْمَالِ، وَجَلَّانَا عَنْ ذَمَائِمِ الْخَصَائِلِ وَقَبَائِحِ الْأَفْعَالِ۔

برادرانِ اسلام گزشتہ رمضان ۱۳۲۹ھ ہجری میں بتقریب تعطیل میں اپنے وطن دیوبند گیا تھا، مدرسہ عالیہ دیوبند میں تہذیب الاخلاق کے متعدد نمبر دیکھے، جس کے مضامین بلا مبالغہ نہایت عالی قدر تھے، منجملہ اُن کے علامہ عبدالعزیز ساویش مصری کا مضمون بھی نظر سے گذرا جو ماہ صفر ۱۳۲۹ھ و ربیع الآخر کے نمبروں میں تھا، اُس میں حقیقت ربا، اور ربا الفضل کی تاریک پہلو پر روشنی ڈالی گئی تھی، اور آخر نتیجہ یہ نکالا گیا تھا کہ آیت قرآنی احلّ اللہ البیع وحرّم الرّبوا۔ مجمول المراد ہے، اگر اس سے بعد احادیث و آثار ثابت ہے تو صرف اسقدر ہے کہ ربا رجاہلیت جس میں دوسرے دون کی شرط ہو حرام ہے خفیف شرح والاحرام نہیں ہے اور قرض جرّ نفع والاحرام نہیں ہے۔ اس میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے چنانچہ ہم علامہ موصوف کی عبارت کے نتائج بجنسہ ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

احل اللہ البیع وحرم الربٰوا کس کا مقولہ ہے خدا کا یا مشرکین کا؟ (۲) یہ آیت مجمل ہے (۳) رباجاہلیت مورد نہی وہ ہے جس میں دونے دون کی شرط ہو (۴) قرض جر نفع والا حرام نہیں، کوئی حدیث اس میں صحیح نہیں (۵) یہ قاعدہ اجماعی نہیں کہ قلیل شئے کی حرمت بخیال حرمت کثیر ضروری ہے۔ انتہیٰ

ہم اپنے مافی الضمیر ظاہر کرنے سے پہلے نہایت مسرت کے ساتھ اعتراف کرتے ہیں کہ تہذیب الاخلاق کی دوبارہ زندگی بیحد امید افزا ہے کہ اسکا فاضل اڈیٹر ایک لائق مستعد باکمال اور عالی دماغ روشن خیال شخص ہے باینہمہ تنگ خیالی اور تعصب بیجا سے دور ہے، اس میں نہایت معرکۃ الآرا مباحث علمیہ کے طے کرنے کا بیڑا اٹھایا گیا ہے، ادہر اخباری دنیا کے نوخیز ارباب قلم بھی باوجود جدت پسندی صداقت و معقولیت کے دلدادہ ہیں بنا بر علیہ مجکو بھی اپنے حوصلہ کے موافق حقیقت ربا کی تشریح ہدیۂ ناظرین کرنی مناسب معلوم ہوئی۔ اثنار تحریر میں اُن نامحسوس زلات کا بیان بھی مجھے ضروری ہوا جو علامہ موصوف کی تحریر میں مضمر ہیں۔

علامہ موصوف نے اپنی تحریر میں ایک لمبا چوڑا افسوس کیا ہے کہ "فقہائے سلف نے قرآن پاک میں تدبر نہیں کیا، آرائے رجال کے پیچھے پڑ گئے اور انھیں آرار کو عین مذہب سمجھ لیا ہے، حالانکہ مذہب وہ ہے جسکی تعلیم قرآن پاک دیتا ہے۔"

خیر، ناظرین خود فیصلہ کرلیں گے کہ فقہار سلف نے عین قرآن کو نصب العین رکھا ہے یا آرائے رجال کو۔ میں چاہتا ہوں کہ میری تحریر پر ایسا موقع اعتراض نہ ہوسکے اسلئے مجھے لازم ہوا کہ میں جو کچھ ثابت کروں صرف قرآن پاک سے کروں، کتب فقہ و حدیث سے مدد نہ لوں، مگر کسی جگہ بعد ثبوت دعوی اُن کو بطور تائید پیش کروں گا۔

سنجیدہ حضرات تہذیب الاخلاق کے مذکورہ نمبروں کو پیش نظر رکھکر میری ناچیز تحریر کو ملاحظہ فرماویں، تاکہ حق و باطل کا فوٹو دل میں کامل طور پر مرتسم ہوسکے۔

سُنیئے زبان عرب میں مادہ ربا کا اصلی مدلول ازدیاد و بیشی ہے سو اُسکی مشتقات میں بھی بیشی کا لحاظ ضرور رہیگا، اگرچہ باہم کچھ نہ کچھ تفاوت معنی بھی ضرور ہو گا مثلاً تربیت بمعنی پرورش، اور ربوہ بمعنی اونچا ٹیلہ، اور رابیہ بمعنی اُبھری چیز ہے، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ جہاں کہیں مضمون زیادت ہو وہاں اس مادہ کا اطلاق درست ہو مثلاً کسی کی مونچھ بڑھی ہوئی ہو تو اُسپر ربا یا رابیہ کا اطلاق صحیح ہو بلکہ تتبع استعمالات سے جہاں جہاں اُسکا اطلاق ثابت ہوا وہاں اُسکا استعمال کریں گے اور جہاں نہیں ہوا وہاں نہیں کرسکتے ہیں، ایسے ہی بیع بالربح میں زیادت کے معنی موجود ہیں۔ مگر اُسپر ربا کا اطلاق زبان عرب میں ہرگز ثابت نہیں ہے جیسا کہ ہم آگے اس کو مدلل لکھینگے جو حضرات خواہ سلف سے ہوں خواہ خلف سے ربا میں ربح بیع کو داخل سمجھتے ہیں اور اس بنا پر ربا کو مجمل قرار دیتے ہیں وہ خود تتبع لغت سے عاری ہیں، دلیل نقلی سے ہرگز ثابت نہیں ہے۔ یہی ایک مُدحضۃ (جائے لغزش) ہے جہاں پر بہت سے لوگوں کا قدم پھسلا ہے۔ اصل یہ ہے کہ عربی میں لفظ فضل اور ربا کو بعض ناقص التفحص لوگوں نے مرادف المعنی سمجھ لیا ہے، حالانکہ یہ ایسا ہی غلط ہے جیسا کہ اُردو میں بچے اور لڑکے کو مرادف المعنی سمجھیں، بچے کا استعمال ہر حیوان کی اولاد پر ہوسکتا ہے، مگر لڑکے کا استعمال صرف انسان کی اولاد پر ہوتا ہے، ایسے ہی عرب میں فضل تو ہر بیشی کو کہہ سکتے ہیں مگر ربا اُس بیشی کو کہتے ہیں جو دیون موجلہ پر بوجہ تاخیر اجل ٹھہرائی جاتی ہے، اسکو ربا نسیہ بھی کہتے ہیں اور یہی معنی ربا کا مدلول اصلی ہے دوسرے معانی ملحق بالربا ہیں، اسی معنی سے قرآن وحدیث واشعار عرب مملو ہیں، ہم اپنا ثبوت صرف قرآن سے دیتے ہیں کیونکہ ہر آسمانی کتاب اُس قوم کی مانوس اللغات ہوتی ہے جسپر وہ نازل کی گئی ہو جیسا کہ آیت ذیل سے ہویدا ہے۔ وما ارسلنا من رسولٍ الّا بلسان قومہ یعنی ہمنے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اپنی قوم کا ہمزبان۔ قرآن پاک میں ربا کا

استعمال اُس نفع پر جو جائز تجارت سے حاصل ہوتا ہے کہیں نہیں ہوا بلکہ اُسپر ربح۔ یا فضل بولا گیا ہے، مثلاً سورۂ بقرمیں ہے فما ربحت تجارتھم وما کانوا مھتدین یعنی" اُن کی تجارت میں نفع نہ ہوا اور وہ کچھ سوجھ بوجھ والے بھی نہ تھے" یا سورۂ جمعہ میں ہے فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ یعنی" جب نماز جمعہ ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور روزی خدا سے مانگو"۔ یا سورۂ بقرمیں ہے لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلاً من ربکم یعنی تم پر کوئی گناہ عاید نہیں ہو کہ سفر حج میں تجارتی نفع حاصل کرو۔ ہاں قرآن پاک میں ربا کا استعمال دو معنی میں ہوا ہے۔ اوّل رقم سود۔ دوّم معاملہ سود۔ جہاں جہاں ربا کے ساتھ لینے دینے یا کھانے پینے کا ذکر ہو وہاں معاملۂ سود مُراد ہے، مثلاً سورۂ بقرمیں ہے الذین یاکلون الربٰوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان من المس یعنی جو لوگ دُنیا میں سود کھاتے ہیں وہ حشر میں اُٹھ نہ سکیں گے، مگر جیسے کوئی آسیب زدہ مرگی والا گرتا پڑتا اُٹھتا ہو"۔ یا در بارۂ یہود سورۂ نساء میں ہے واخذھم الربٰوا وقد نھوا عنہ واکلھم اموال الناس بالباطل یعنی (اُن پر بہت سی نعمتیں حرام کی گئیں) اُن کے سود لینے کی وجہ سے حالانکہ وہ اُس سے روکے گئے تھے اور لوگوں کے اموال ناجائز طور پر کھانے کی وجہ سے۔

ان ہر دو آیات میں لفظ ربا بمعنی رقم سود ہے، بمعنی معاملۂ سود نہیں ہے۔ کیونکہ کھانا لینا اعیان جسمیہ سے متعلق ہوسکتا ہے معانی مصدریہ قابل اخذ و اکل نہیں ہیں اور آیت ذیل میں ربا بمعنی معاملۂ سود ہے ذٰلک بانھم قالوا انما البیع مثل الربٰوا و احل اللہ البیع وحرم الربٰوا یعنی یہ اخروی تباہی سود خواروں کی اس سبب سے ہے کہ اُنھوں نے کہا کہ بیع اور ربا تو ایک جیسے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال اور ربا کو حرام کیا ہے۔ یہاں چونکہ حرمت کا ذکر ربا کے ساتھ ہے تو وہ بمعنی رقم سود نہیں ہوسکتا ہے کہ علم اصول کا مسئلہ قاعدہ ہے کہ حلت و حرمت یا استحباب و ندب

یا حظر و اباحت کا تعلق حقیقۃً افعال مکلفین سے ہوتا ہے۔ ہاں مجازاً القرینہ صار فراعیان خارجیہ سے بھی ہو سکتا ہے۔ مگر یہاں کوئی قرینۂ مجاز نہیں ہے۔ بلکہ قرائن حقیقت چند ہیں۔ ذکر تحریم۔ اور عطف علی البیع، اور معطوف علیہ کا حتماً از قسم افعال ہونا۔ تو معطوف کا بھی ایسا ہی ہونا مناسب ہُوا۔ الغرض جس پہلو سے غور کریں جملہ حرّم الرّبا میں لفظ ربا بمعنی معاملہ سود ہے اور کسی معنی کا یہاں احتمال نہیں ہے۔ اب اس کو مجمل قرار دینا تقلیدی غلطی یا سقم عقلی پر مبنی ہو۔ احلّ اللّٰہ البیع وحرّم الرّبا دو جملے متقابلین ہیں جنہیں تقابل تضاد ہے، پھر ایک کا حکم حلّت ہے تو دوسرے کا حکم حرمت ہو، اور ظاہر ہو کہ تنافی احکام و آثار محکوم علیہما کے تنافی کو عقلاً وعرفاً مستلزم ہے تو یہ کہنا کہ ربا بیع کو بھی لغۃً شامل ہے کسقدر بیہودہ پن ہے، کہیں متضادین بھی ایک دوسرے کو شامل ہوتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ الغرض یہ ادعائے شمول ایسا ہی بیہودہ ہے جیساکہ آیت یمحق اللّٰہ الرّبا ویربی الصّدقات میں ربا کو متناول صدقہ کہا جائے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ بیع کی ماہیت معاوضۃ المال بالاموال ہو اور ربا کی ماہیت معاوضۃ الاموال بالآجال ہے یعنی نادارارروں سے بعوض تاخیر اجل کچھ لینا۔ سو یہ دونوں افعال مختلف الماہیت ہوئے۔ ایسے ہی صدقہ کی حقیقت یہ ہے کہ اپنا نقصان اور نادار کا نفع۔ اور سود کی حقیقت یہ ہے کہ اپنا نفع اور نادار کا نقصان۔ سو یہ دونوں بھی مختلف الحقیقت ہوئے، اب جیساکہ ربا کو متناول صدقہ کہنا غلط ہے ایسا ہی ربا کو متناول البیع کہنا غلط نکلا، ہمیشہ ضد مباین ضد ہوا کرتی ہے، متناول للضد ہرگز نہیں ہو سکتی ہو، علاوہ بریں اگر آیت حرّم الرّبا مجمل ہوتی تو مخاطبین عہد نبوت اُسکے معنی سے استفسار کرتے حالانکہ کسی حدیث سے اُن کا استفسار ثابت نہیں ہو دوسرے اُن کا بیع اور ربا کو مماثل سمجھنا خود دلیل ہو کہ وہ بیع و ربا کو دو جداگانہ معاملات جانتے تھے، کیونکہ تماثل بلا تعدد نا ممکن ہے تیسرے آیت وذروا ما بقی من الرّبا سے

محقق ہے کہ وہ سود کا داد وستد رکھتے تھے ورنہ اُن کو بقایائے سود کے چھوڑنے کا حکم نہ ہوتا، پھر ایسی چیز جو اُسوقت عام طور پر شایع ہو اور اُسکو بیع کا مماثل جانتے ہوں، اور اُسکی نسبت حکم حرمت سُن چکے ہوں کہیں اُن پر مشتبہ ہوسکتی ہو۔ ہرگز نہیں جب ربا اُن پر ذرا مشتبہ نہ ہوا، تو اُسکو مجمل قرار دینا کیونکر صحیح ہوسکتا ہے۔ الحاصل آیت مذکورہ کا اجمال نہ نقلاً ثابت ہو نہ عقلاً موجبہ ہے، تو علامہ مصری کا اُسکو مجمل ٹھہرانا ناقابل معافی خطا ہے۔ علامہ موصوف نے افسوس ہے کہ قرآن پاک اور عقل منصفی کو چھوڑ دیا اور سلف کے اقوال بارده کو باور کرلیا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا خوب فرمایا ہی من قال ھلک الناس فھو اھلکھم یعنی جو شخص لوگوں کو تباہ کہے وہ سب سے زیادہ تباہ کار ہے۔ ہرچند کہ ان دلائل نقلیہ و شواہد عقلیہ سے آیت مذکور کا اجمال غلط نکلا مگر بمزید احتیاط ہم مجمل کی تعریف فن اصول سے بھی نقل کرتے ہیں تاکہ ہر شخص جان لے کہ آیت مذکورہ پر یہ تعریف اصلا منطبق نہیں ہے، نور الانوار میں مجمل کی تعریف یہ ہے ما ازدحمت فیہ المعانی واشتبہ المراد اشتباھا لا یدرک بنفس العبارۃ بل بالرجوع الی الاستفسار یعنی مجمل وہ کلام ہے جسمیں معانی چند در چند احتمال ہو اور مراد متکلم اس قدر مشتبہ ہو کہ عبارت میں غور کرنے سے متعین نہ ہوسکتی ہو بلکہ متکلم سے دریافت کرنے کی ضرورت اُس میں ہو۔ اب ناظرین سخن سنج خیال فرماویں کہ آیت مذکورہ میں نہ معانی کثیرہ کا ازدحام ہے نہ اُس میں کوئی اشتباہ ہے بلکہ عبارت میں غور کرنے سے متعین ہوگیا کہ ربا یہاں پر بمعنی معاملہ سود ہے جیسا کہ پہلے شرح گذر چکا ہے اور نہ اس میں متکلم سے استفسار کی ضرورت ہے، چنانچہ کسی نقل سے بھی استفسار ثابت نہیں ہوا۔ سو اس اصطلاح کے موافق بھی آیت مذکورہ مجمل کہلانے کی مستحق نہ ہوئی، اب اُس کو مجمل کہیں تو کس قاعدہ سے کہیں۔

فن اصول میں "الصبح صادق" ایک مستند کتاب ہی اُس کے مولف نے بھی دعوی

اجمال کو رد کیا ہے اُس کی عبارت یوں ہے۔ ولا یخلو عن شی ؎ لان الکریمۃ نزلت للرد علی من سوی بین البیع والربا حیث قالوا انما البیع مثل الربا فکان عندھم معروفا فکیف یکون الربا مجملاً یعنی مجمل آیت ربا کو مجمل کہنا خدشہ سے خالی نہیں ہے کیونکہ یہ آیت اُن لوگوں کو رد کے لیے اُتری ہے جو بیع اور سود کو مماثل بیان کرتے تھے اور کہتے تھے" انما البیع مثل الربا سو اُن کے نزدیک ربا معروف الماہیتہ تھا پھر کیسے ہوسکتا ہے کہ لفظ ربا مجمل کہلایا جاوے۔ علیٰ ہذا التفسیر مظہری میں ہے صفحہ ۳۰۰ والذی سنح لی ان آیۃ الربا لیست بمجملۃ فان المجمل ما لا یدرک معناہ بالطلب بل من جہۃ الشرع فقط وھھنا یعنی جو بات میری سمجھ میں آئی ہے یہ ہے کہ یہ مجمل نہیں ہے کیونکہ مجمل کے معنی فوراً طلب سے معلوم نہیں ہوسکتے ہیں بلکہ بیان شارع سے معلوم ہوتے ہیں اور یہاں یہ بات نہیں ہے۔ علاوہ بریں جب یہ آیت ذیل قریب الوفاۃ نازل ہوئی تو جملہ مومنین بقایائے سود سے دست کش ہوگئے۔ یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وذروا مابقی من الربا ان کنتم مؤمنین یعنی اے حکم ماننے والو خدا کی مواخذہ سے اندیشہ کرو اور جو کچھ تمہارا سود کسی کے ذمہ رہ گیا ہے اُسکو چھوڑ دو اگر تم حکم ماننے والے ہو۔ اب میں مدعیان اجمال سے پوچھتا ہوں کہ خدائے علیم کیطرف سے ایسا تہدید آمیز حکم ایسے لوگوں کو بھی ہوسکتا ہے جو نہ ربا کی ماہیت سے آشنا ہوں اور نہ اُس کا داد و ستد رکھتے ہوں، ہرگز نہیں بلکہ ربا ایسی معروف چیز تھی کہ یہود سے لیکر عہد نبوت تک عموماً جاری تھی، اُس کی نہی کتب سابقہ میں بھی موجود قرآن پاک میں بھی موجود، اُس میں تمام تجار مومن ہوں یا مشرک سب مبتلا تھے پھر بھی یہ کہنا کہ ربا ایک لفظ مجہول الماہیت مشتبہ المراد تھا کسقدر عقل و فہم سے دور ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ قرآن پاک میں اُس کی تعریف و تشخیص مذکور نہیں ہے تو

ہم کیسے سمجھ لیں کہ ربا کس معاملہ کا نام ہے؟ تو ہم کہتے ہیں کہ بیع و قرض یا خمر و خنزیر یا میسر و ازلام وغیرہ کی تعریف بھی قرآن میں مذکور نہیں تو وہ بھی مجملات قرآنی سے ہونے چاہئیں، قرآن تعریفات اشیاء کے لیے نازل نہیں ہوا بلکہ احکام اشیاء کے لیے منزل ہوا ہے۔ غور کرو تو یہ بھی غلط ہے کہ قرآن سے ربا کی ماہیت مفہوم نہیں ہوتی ہے بلکہ آیت بالا سے جو اگلی آیت ہے اُس سے ماہیت ربا کی تعیین و تشخیص ہوتی ہے۔ بعوز نہیں۔ ربا دو قسم ہے۔ ربا نسیہ اور ربا فضل۔ اُدھار معاملہ میں جو بعوض تاخیر اجل بیشی ہوتی رہتی ہے وہ ربا نسیہ ہے اور یہی زیادہ تر تباہی آور ہے اور دست بدست معاملہ میں جو ہمجنس بدلین پر ایک طرف بیشی ٹھہرائی جاتی ہے وہ ربا فضل ہے اسکا وقوع بھی کم ہے اور اسکا نقصان بھی خفیف ہے۔ قرآن پاک میں جو آیات تحریم ربا میں وارد ہیں وہ ربا نسیہ سے متعلق ہیں اگرچہ علت حرمت جو قرآن میں منصوص ہے اُس سے ربا فضل کی حرمت بھی لازم آجاتی ہے تو ربا نسیہ کی حرمت قرآن پاک سے بعبارۃ النص ثابت ہے اور ربا فضل کی حُرمت بدلالۃ النص ثابت ہے۔ ہاں احادیث نبویہ سے بعبارۃ النص ربا فضل کی حُرمت ثابت ہے جیسا کہ آگے شرح آتا ہے منتظر رہیں، خیر آیت بالا سے اگلی آیت ملاحظہ ہو۔

تعریف ماہیت ربا جو قرآن پاک سے مفہوم ہے

ارشاد خداوندی ہے فان تبتم فلکم رؤس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون ٭ ان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الیٰ میسرۃ وان تصدقوا خیر لکم ان کنتم تعلمون

ترجمہ۔ اگر تم نے معاملات سودی سے توبہ کر لی تو تمہارا حق صرف اصلی مطالبہ ہے نہ تم نقصان پہنچاؤ اور نہ تم نقصان اُٹھاؤ، اور اگر مدیون تنگدست ہو تو اُسکو مہلت دینی چاہیئے، فراخی کے وقت تک اور بالکل معاف کر دو تو یہ اور بھی بہتر ہے۔ اگر تم سمجھ رکھتے ہو

اس آیت میں تین الفاظ قابل غور ہیں، راس المال، ظلم، نظرۃ۔ سو اہل فہم بغور صائب ان الفاظ کے مدلولات کو ذہن نشین فرمادیں، لغت عرب میں راس المال اُس دین واجب فی الذمہ کو کہتے ہیں جو وقت عقد قرار پاچکا ہو عام ہو کہ وہ عقد بیع ہو یا اجارہ نکاح ہو یا قرض حوالت ہو یا کفالت اور نیز اُس مال کو بھی کہتے ہیں جو بعوض اتلاف مال غیر متلف کے ذمہ عاید ہوا ہو غرض اصلی زر مطالبہ کو عربی میں راس المال کہتے ہیں چنانچہ رد المحتار جلد رابع صفحہ ۱۶۹ میں ہے۔

الدین ما وجب فی الذمة لعقد او استهلاك او ما صار فی ذمته دینا باستقراضه فهو اعم من القرض کذا فی الکفایة۔

ترجمہ۔ دین وہ مال ہے جو کسی کے ذمہ عاید ہوا ہو بوجہ کسی معاملہ کے یا بوجہ مال تلف کرنیکے یا جو قرض لینے سے کسی کے ذمہ عاید ہوا ہو سو لفظ دین وسیع المعنی ہے بہ نسبت قرض کے ایسا ہی کفایہ میں ہے۔ عبارت رد المحتار میں لفظ عقد نکرہ ہے ہر معاملہ کو شامل ہے سو ہر معاملہ میں واجب الادا رقم کو دین کہتے ہیں اور دین کو راس المال بھی کہتے ہیں پھر آیت بالا سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سودی معاملہ میں راس المال دلاتا ہے اور اُس پر زیادت کو ظلم ٹھیراتا ہے اب ظلم کی حقیقت سنو۔ سب جانتے ہیں کہ بلا استحقاق یا زاید از استحقاق لینے کا نام ظلم ہے۔ سورہ ص میں حضرت داؤد علیہ السلام کے قصہ میں ہے۔ لقد ظلمك بسؤال نعجتك الی نعاجه ترجمہ تیرے ساتھی نے تجھپر زیادتی کی ہے کہ تیری دنبی اپنی دنبیوں میں ملانے کی درخواست کرتا ہے۔ پورا قصہ قرآن شریف میں دیکھو یہاں مقصود یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے سے اُس کی دنبی ناحق مانگی تو اُس کو بلفظ ظلم تعبیر کیا گیا ہے۔ زائد از حق بھی از قسم ناحق ہے۔ سو ظلم کی حقیقت ناحق مانگنا ہے اب غور کرو جب کسی معاملہ میں کوئی رقم معاوضہ مقرر ہو چکی ہو تو اُس کا مانگنا تو حق ہے مگر اُس سے زائد مانگنا ناحق ہے۔ شاید کوئی یہ کہے کہ جب مدیون نے شرط سود منظور کرلی تھی تو مطالبہ سود ناحق کیسے ہوا تو ہم کہتے ہیں کہ قمار میں بھی تو فریقین

راضی بقدر معین ہوتے ہیں پھر تمام متمدن ممالک میں اُس پر سزا کیوں ہوتی ہے؟ اصل وجہ دونوں جگہ یہ ہے کہ مجبور نا عاقبت اندیش کی رضا بہولائے نفس قابل اعتبار نہیں ہے قوانین عدل بہ نظر مصالح عامہ اس کو جائز قرار نہیں دے سکتے ہیں یورپ کا قانون اغراض ذاتیہ پر مبنی ہے اس لیے قانونِ یورپ سود کو جائز اور قمار کو ناجائز قرار دیتا ہے مگر قرآن پاک قوانین فطرت کا مجموعہ ہے وہ دونوں کو ناجائز قرار دیتا ہے اور عقل سلیم بھی جو آمیزش اغراض سے پاک وصاف ہو حکم قرآنی کو مستحسن سمجھتی ہے۔ الحاصل اصل زر مطالبے سے زائد لینا ظلم ہوا اور بھی لول رہا ہے۔ اگر مدیون آسودہ بھی ہو تب بھی عدالت شرع اصل رقم ہی دلاویگی اور زائد کو مٹا دیگی؛ اور اگر مدیون تنگدست ہو تو کچھ مہلت دلادیگی بار زائد اُس پر ڈالنا ہرگز گوارا نکریگی کہ یہاں تو بہ نسبت مدیون آسودہ کے اور بھی زیادہ ظلم قبیح ہے۔ یہ مہلت حقیقت لفظ نظرہ کی ہے۔ اسکلے جملہ میں بالکل معافی کی ترغیب ہے جو قانونِ ہمدردی کے عین مطابق ہے اب جبکہ تینوں الفاظ کی ماہیت ذہن نشین ہوگئی تو ماہیت ربا خود سمجھ میں آگئی عربی میں اُس کی تعریف یہ ہے جو قرآن سے مفہوم ہے الربا ھو الزیادۃ علی راس المال بتاخیر الآجال ترجمہ۔ یعنی ربا اصلی دَین پر زیادت کرنا ہے بوجہ میعاد بڑھانے کے۔ اب سمجھو کہ چونکہ دین اور راس المال محض بیع ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اور معاملات مثل قرض و اجارہ و نکاح و کفالت میں بھی پایا جاتا ہے تو اُس پر زیادت ہر معاملہ میں بھی ربا ہوگی اور وہ بوجہ ظلم ہونیکے محرم بالقرآن ہوگی اب فہمیدہ حضرات فیصلہ ناطق فرماویں کہ علامہ سادیش مصری کا یہ فرمانا کہ قرآن سے قرض کے سود کا حرام ہونا ثابت نہیں ہے اور احادیث اس باب میں سب ضعیف ہیں کسقدر بیہودہ خیال ہے افسوس کہ علامہ موصوف نے قرآن پاک میں ذرا غور نہیں کیا بلکہ تمدن یورپ پر فریفتہ ہوکر ربا کو حلال کرنے کے درپے ہوگیا اور ذرا اندیشہ نہ کیا کہ نص قطعی کی تحریف اور قرون اولی کے اجماعی مسئلہ کا خلاف گناہ عظیم ہے ارشاد قرآنی ہے۔ ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدی ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولی ونصلہ جہنم وساءت مصیرا

ترجمہ۔ جو شخص ہمارے رسول کے خلاف کھڑا ہو اُس کے روشن ہدایت سمجھ لینے کے بعد اور چلے راہ پر ایمان والوں کی راہ کے سوا تو ہم بھی جانے دینگے اُسکو جدھر کو وہ ہو لیا ہی اور جلا دینگے اس کو دوزخ میں جو بہت بُرا ٹھکانہ ہی۔ مسلمانوں رونے کا مقام ہی کہ ہم گناہ کریں مگر اُس کو گناہ نہ سمجھیں کاش اگر ہم گناہ سمجھیں تو ہمارا عمل ہی خراب ہوگا علم تو خراب نہو گا مگر آفت یہ ہی کہ نئی روشنی والے قرآن سے تو واقف نہیں ہیں مزخرف تحریرات دیکھکر نعرہ تحسین بلند کرتے ہیں کہ جو بات سر سید علیہ الرحمۃ نے موںھ سے نکالی تھی اُس کی آج ملک شام و مصر میں تائید ہو رہی ہی ہندوستان کے علما تنگ خیال تھے زمانے نے اب شام و مصر میں روشن خیال علما پیدا کر دیے ہیں۔ مگر بات وہ ہی جو دلائل صحیحہ سے ثابت ہو اُس کے خلاف اگر سارا جہان بھی زور لگا وے تو قلب سلیم کبھی اُس کو باور نہیں کر سکتا ہی جو خیالات پریشان سر سید علیہ الرحمۃ نے اپنی تفسیر میں بحوالہ اقوال بارد ظاہر کیے تھے وہی علامہ مصری نے انہیں حوالجات سے کئے ہیں تائید کیا خاک ہوئی وہی قند مکرر ہی عدم تدبر قرآن جیسے سر سید کے حق میں سد راہ تھا وہی اب ہی سر سید علیہ الرحمۃ بیشک پولیٹکل گتھیوں کی الجھن سلجھانے کا مرد فرزانہ یکہ روزگار تھے مگر شریعت کے اسرار پنہانی کے سمجھنے کے اہل نہ تھے کہ یہ حلاوت ایمانی او رفراست ایمانی پر موقوف ہی و لکل فن رجال اُن کی تفسیر بقول نواب محسن الملک مرحوم تحریف کے ساتھ نامزد کرنے کے لائق ہی اُس میں اکثر ضروریات دینی کا انکار بھرا ہوا ہی ناظرین با انصاف تحقیق گزشتہ اپنے دل سے فتوی لیویں کہ تحقیق مغز قرآن ہی یا علامہ مصری کی تحریر عطر قرآن ہی۔ بالجملہ دین مقرر پر بیشی ربا ہی اور ربا بوجہ ظلم حرام ہی اب کونسا عقل کا سلیم ایسا ہی جو یوں کہے کہ بیع میں تو ثمن مقرر سے زیادہ لینا ظلم ہی مگر قرض وغیرہ میں زیادہ لینا ظلم نہیں ہی نہیں بلکہ جہاں جہاں حق مقرر پر زیادہ ستانی ہوگی وہاں ربا ضرور متحقق ہوگا اور جو ظلم حرام ہوگا تو نتیجہ تحقیق یہ مرتب ہوا کہ قرآن پاک سے بیع و قرض وغیرہ میں حرمت ربا یکساں ثابت ہے اگر قرض کے بارہ میں احادیث ضعیف بھی ہوں تو ہوا کریں سود قرض کی حرمت

قرآن سے حتی وجزماً تنصیصاً تعلیلاً بلا ارتیاب ثابت ہے۔ وما یجحد بآیتنا الا الظلمون

ترجمہ۔ کوئی ہماری نشانیوں کا انکار نہیں کرتا ہے بجز ناانصاف لوگوں کے، علی ہذا علامہ مصری کا ربا ضعف بر حرمت کو محصور کرنا اور اس سے کم شرح والے ربا کو جائز خیال کرنا بھی سراسر خالف قرآن ہے اگر کم از تضاعف باعند اللہ جائز تھا تو فلکم رؤس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون کیوں ضابطہ عامہ مقرر فرمایا اور زاید از مطالبہ اصلیہ کو کیوں تحت ظلم داخل فرمایا۔ مسلمانوں اس آیت کو یاد رکھو اور دل میں عقیدہ راسخ جماؤ کہ راس المال ایک حبہ زائد بھی عند اللہ ظلم و ربا ہے کیا کوئی عاقل کہہ سکتا ہے کہ قرآن پاک ظلم کثیر کو تو ناجائز کرتا ہے اور ظلم قلیل کو جائز رکھتا ہے وہ احکم الحاکمین جس کی شان یہ ہے ان اللّٰہ لا یظلم مثقال ذرۃ - ترجمہ۔ بیشک اللہ ذرہ برابر ظلم گوارہ نہیں کرتا ہے۔ کیا وہ اپنے بندوں کو ذرہ برابر ظلم کی اجازت دیسکتا ہے ہرگز نہیں افسوس کہ علامہ مصری نے جیسے قرآن پاک کو چھوڑ رکھا ہے ایسی ہی عقل کو بھی کھو رکھا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الالباب ۔

الغرض یہ بات کہ دو نے دون کا سود حرام ہے اُس سے کم حرام نہیں ایک ایسی بدیہی البطلان بات ہے جو کسی عالم و عاقل پر مخفی نہیں رہ سکتی ہے قرآن و عقل دونوں کے سراسر خلاف ہے۔ اب ہم پر فرض ہوا کہ سب پر ظاہر کریں کہ علامہ مصری و سرسید مرحوم ہر دو کو ایسی فاحش خطا کیوں لاحق ہوئی انعوذ باللہ

سرسید علیہ الرحمۃ و علامہ مصری کی خطا کا منشا

ہر دو رہنما مران قوم اور ان کے ہمخیال لوگوں کا خیال ہے کہ قرآن پاک میں اُمت محمدؐ کو ربا کی حرمت ان الفاظ کے ساتھ ہوئی ہے۔ یا ایھا الذین امنوا لا تاکلوا الربوا اضعافاً مضاعفۃ ۔ ترجمہ۔ ایمان والو سود مت کھاؤ جو چند در چند گونہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس میں اضعافاً مضاعفۃ بترکیب نحوی حال واقع ہوا ہے اور حال

اپنے عامل کی قید ہوتا ہے سولانا کو اسے جونہی مفہوم ہے وہ اُس ربا کے ساتھ مقید ہو گی جو دونے دون ہو جاوے اور جو سود اس سے کم ہو اُس کی حرمت اس آیت سے مفہوم نہ ہو گی بلکہ وہ خشک مولویوں کی رائے ہے جو زمانہ کی ضرورات سے واقف نہیں ہیں اور نہ قیود قرآنی کے پُراسرار نکات سے باخبر ہیں۔ اور ایک دوسری آیت بدین مضمون وارد ہے۔ واحل اللہ البیع وحرم الربا۔ ترجمہ۔ اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام کیا ہے۔ یہ آیت بیشک قید مضاعف سے مطلق ہے سو اُس کا منشا تو یہی تھا کہ ہر قسم کا ربا حرام ہوتا مگر علم اصول کا قاعدہ ہے کہ جب ایک شئ کی نسبت دو نصوص مطلق و مقید وارد ہوں تو نص مطلق سے بھی مراد وہی ہوتی ہے جو نص مقید سے تھی لہذا اس میں الربا معرف باللام سے وہی ربا مراد ہوگا جو نص مقید میں ربا مضاعف مراد تھا سو دونوں کے ملانے سے یہی نتیجہ بقوعد اصول پیدا ہوا کہ قرآن پاک سے ربا مضاعف حرام ہے نہ کہ اُس سے کم والا لہذا خفیف شرح کا سود قرض وغیرہ میں حرام نہوا۔

منشاءِ خطا کا قلع قمع

یہ تقریر زراندود بظاہر نہایت صحیح قابل قبول ہے مگر درحقیقت یہ ایک جالی تلبیس ہے جو سادہ لوحوں کو لُبھا سکتی ہے مگر سخن شناس طبایع اس کو ہرگز قبول نہیں کر سکتی ہیں تحقیقی جواب تو آگے پیش کش ہوگا پہلے الزامی جواب پیش کرتا ہوں قرآن پاک میں ارشاد ہے۔ ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق ترجمہ۔ اپنی اولاد کو باندیشۂ فقر قتل نہ کیا کرو۔ یہاں خشیۃ املاق مفعول لہٗ ہے جو وہ بھی مثل حال اپنے عامل کی قید ہوا کرتا ہے تو خلاصۂ آیۃ یہ ہوا کہ باندیشۂ فقر تو اولاد کا مارنا حرام ہے۔ اور کسی وجہ سے مارنا حرام نہیں ہے جو مولوی خشکا ہر طرح مارنے کو حرام بتلا دے یہ اُس کی رائے خام ہے قرآن کا منشاء یہ نہیں ہے سو جو جواب لیفامران قوم اس کا سوچیں گے وہی جواب ہمارا ہوگا۔

علاوہ بریں اگر علامۂ موصوف وغیرہ کو قید اضعاف زمخشری تو اضعاف صیغۂ جمع ہے اس کا اطلاق کم از کم سہ گونہ پر ہوگا تو علامۂ موصوف کو کہنا چاہیئے تھا کہ قرآن پاک سے سہ گونہ ربا کی حرمت ثابت ہے اس سے کم کی حرمت ثابت بالقرآن نہیں ہے بہرحال علامۂ ممدوح نے دائرہ حلت کو مخلوق پر تنگ کر دیا اور روزی حلال کو محدود کر دیا پوری روشن خیالی اس کو مقتضی تھی کہ کم از سہ گونہ ربا کی حلت کا فتویٰ دیا جاوے تاکہ ذریعہ معاش میں وسعت رہے۔ اس حساب سے تو علامہ موصوف بھی تنگ خیال علماء میں محسوب ہیں کہ قرآن کے خلاف صرف دونے دون ربا کو حرام سمجھا حالانکہ کم از سہ گونہ بھی حلال کہنا چاہیئے تھا۔

تحقیقی جواب ملاحظہ فرمائیے۔ قید کے نہ ہونے سے حکم کا بدل جانا باصطلاح فن اصول مفہوم مخالف کہلاتا ہے اول تو مفہوم مخالف کے ذریعے سے حکم مخالف کا ثابت کرنا عقلاء و محققین کے نزدیک باطل و مردود ہے۔ اور جس کے نزدیک مفہوم مخالف کا اعتبار بھی ہے اس کے نزدیک اس میں یہ شرط ہے کہ رفع قید کی صورت میں حکم مذکور کی علت مفقود ہو ورنہ اگر عدم قید کی صورت میں بھی علت حکم بدستور موجود ہو تو حکم مذکور نہیں بدلے گا۔ سو یہاں در صورت عدم تضاعف بھی علت حرمت بدستور موجود ہے وہ کیا ہے ظلم نادار پر جیسا کہ آیت۔

لا تظلمون و لا تظلمون سے مفہوم ہے اور ظاہر ہے کہ ظلم تھوڑا ہو یا بہت عقلاً و شرعاً حرام ہے اسی واسطے حق تعالیٰ ہر سودی معاملہ میں بعد توبہ راس المال سے ایک حبہ زائد نہیں دلاتا ہے اور اسکی منادی کرتا ہے فلکم رءوس اموالکم ارباب فہم خیال فرماویں کہ جنکی نظر اس جملہ پر ہوگی کیا وہ کہہ سکتا ہے کہ المضاعف سے کم سود قرآن سے جائز ہے اگر وہ جائز تھا تو اللہ تعالیٰ نے صرف راس المال پر کیوں اکتفا کیا کچھ تو زائد دلا دیتا حالانکہ وہ زائد لینے کی بصیغہ لا تظلمون نہی فرماتا ہے اور جب زائد لینے کی نہی قرآن پاک میں موجود ہے تو المضاعف سے کم کا جواز کس طرح موجہ ہو سکتا ہے کیونکہ فن اصول میں مبرہن ہے کہ بمقابلہ نص صریح مفہوم مخالف بالاتفاق نامقبول ہے افسوس ہے کہ علامۂ مصری نے فن اصول کے

توعد کو بھی نظر انداز کر رکھا ہے۔ الحاصل لفظ اضعاف مضاعفہ قید احترازی نہیں ہے بلکہ قید اتفاقی ہے جس کا ذکر بغرض اظہار شناعت ربا ہوا ہے یعنی ربا ایسیہ چونکہ ظلم روز افزوں ہے جسکا کوئی ٹھکانا نہیں۔ اس لیے اس سے دست کش ہو جاؤ۔ ہر زبان میں ایسے قیود بغرض نفرت دلانیکے محاورات کلامی میں پائے جاتے ہیں سو جو شخص اس سے یوں سمجھ بیٹھے کہ جو ظلم روز افزوں نہ ہو وہ جائز ہے تو یہ اُس کی سفاہت کی دلیل ہے۔ اس علمی نکتہ کو جانے دیجئے سیدھی بات یہ ہے کہ کلام میں قید کبھی احترازی ہوتی ہے اور کبھی اتفاقی تو احتمال ہے کہ قید اضعاف احترازی ہو یا اتفاقی مگر آیت قرانی فلکم رءوس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون نے اس کا احترازی ہونا باطل کر دیا تو کم از مضاعف کی حلت بھی باطل ہو گئی لامحالہ سود تھوڑا ہو یا بہت یکساں حرام ہے علامہ مصری نے اصولی قاعدہ کو بھی کماحقہ نہ سمجھا اس لیے اُس کا استعمال صحیح موقع میں نہ کر سکا۔ ہم اپنے ناظرین فہمیدہ کے سامنے صحیح قاعدہ ذکر کرتے ہیں جس کی صحت پر عقل و شرع شہادت دیتی ہے جو چیز اصل سے مباح ہو پھر کسی قید و شرط کے ساتھ اُس کو ممنوع کیا گیا ہو تو ایسی جگہ تو اُس قید کے ارتفاع پر اس چیز کی اباحت سمجھ میں آجاتی ہے مثلاً قرآن میں ہے۔ لا تقتلوا الصید و انتم حرم ترجمہ۔ شکار کو قتل مت کرو بحالت محرم ہونے کے تو شکار کرنا اصل مباح تھا مگر احرام حج کی عظمت سے اُس کی ممانعت ہوئی ایسے موقع میں ہر شخص سمجھ لیگا کہ بلا احرام وہ مباح ہے اور جو چیز اصل سے عقلاً و شرعاً مذموم و معیوب ہو پھر کبھی قید و شرط کے ساتھ اُس کی نہی وارد ہو تو ایسی جگہ اُس قید کے ارتفاع سے اُس کی اباحت سمجھ میں نہیں آئے گی بلکہ شدت حرمت میں کمی مفہوم ہو گی مثلاً قرآن میں ہے فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج

ترجمہ۔ عورتوں سے دل لگی اور نافرمانی اور جھگڑا بحالت حج نہ کرو۔ سو قید فی الحج سے اُس کی شدت حرمت سمجھ میں آتی ہے اور بلا حج کے یہ امور جائز تو نہ ہونگے مگر اُن کی شناعت حالت حج سے کم ہو گی۔

اہل عقل پر چھوڑتا ہوں کہ ایسے نظائر بیشمار قرآن میں ہیں اُن کو مزید اطمینان کے لیے خود

تلاش کرلیں تاکہ یہ قاعدہ خوب ذہن میں مستحکم ہو جاوے۔ اس کے بعد مقصود اصلی کی طرف متوجہ ہوں۔ ربا کی حقیقت یہ ہے کہ ناداریوں سے دین مقرر پر زیادت کر کے وصول کرنا۔ سو یہ مبنی ظلم ہوئی جو عند اللہ و عند العقل قانون ہمدردی کے خلاف ہے اب اگر اس کو بقید التضاعف کر کے ممنوع کیا گیا ہے تو اس سے شدت حرمت اور مبالغۃ فی الاجتناب مفہوم ہوا اگر قید تضاعف مرتفع ہوگی تو اس سے شدت حرمت میں کمی مفہوم ہوگی نہ کہ اس کی اباحت مثلاً کوئی کہے مسجد میں گالیاں مت بکو تو کیا کوئی سمجھ سکتا ہے کہ مسجد سے باہر وہ جائز ہے ہرگز نہیں۔ سو جیسے یہاں قید مسجد احترازی نہیں ہے ایسے ہی آیۃ مذکورہ میں قید تضاعف احترازی نہیں ہے دونوں جگہ ذکر قید استعظام جرم کیلیے ہوا ہے تاکہ مخاطبین اسکو عظیم گناہ سمجھیں اور اس سے کش ہو جاویں کہ کہ مسجد سے باہر گالیاں نکالنے یا دونے سے کم سود لیا کریں مگر آج تک کسی صحابی تابعی فقیہ محدث نے نہیں سمجھا اور نہ سمجھنے کا امکان تھا کہ نص صریح فلکم رءوس اموالکم مانع تو پیش نظر تھا لیکن آج کل کی نئی روشنی نے چشم سر کو بیشک تیز کر دیا ہے مگر چشم دل کو بالکل خیرہ کر دیا ہے اس لیے اگر آجکل کے روشن خیالوں کو گذشتہ آیۃ قرانی نظر نہ آئی تو تعجب نہیں ہے۔ فانھا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور ترجمہ آنکھیں اندھی نہیں ہوا کرتی ہیں بلکہ وہ دل جو سینوں میں ہیں اندھے ہو جاتے ہیں۔ الغرض قید اضعاف کا ذکر بغرض استعظام جرم ہوا ہے تاکہ صحیح اجتناب ہو تضاعف علت حرمت نہیں ہے در اصل علت حرمت ظلم ہے جو کثیر و قلیل دونوں میں برابر موجود ہے اور ظاہر ہے کہ وجود علت وجود معلول کو مستلزم ہے سو خفیف شرح کا سود بھی حرام ہوا اور بھاری شرح کا بھی۔ اب دوسری بات سنئے۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ جملہ احل اللہ البیع وحرم الربوا جو نص مطلق ہے بیشک اسی نص مقید پر محمول ہے جس میں قید تضاعف ہے مگر نتیجہ یہ ہی ہوگا کہ ربا قلیل و کثیر حرام ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ ربا دو قسم کا ہے ایک وہ جسمیں تضاعف کا مادہ ہو دوم وہ جسمیں یہ مادہ نہ ہو اول قسم کا نام ربا النسیہ ہے دوم کا نام ربا الفضل ہے عہد نبوت میں ربا النسیہ عموماً مروج تھا قرآن کی ہر دو آیات مذکورہ اسی نسیہ

اور ربا کی نسبت نازل ہوئیں اوسکی حرمت کے بعد بعض حیلہ گر تجار نے ربا الفضل کو جائز سمجھا
ہوگا۔ کیونکہ احل اللہ البیع میں کوئی تفصیل نہ تھی انھوں نے خیال کیا کہ مثلاً
گندم بمقابلہ گندم کے بیع بالتساوی ہو یا بالتفاضل معجل ہو یا موجل سب درست ہیں لہذا شارع
علیہ السلام نے کچھ اصلاحی قیود قائم فرمائے تاکہ انسداد ظلم کامل طور پر ہوجاوے اس کی تلافی
ہم آگے بعد ختم بحث آیات ہدیہ ناظرین کرینگے بالجملہ دیون موجلہ میں جو ربا جاری تھا اسمیں شان ابدی
مثل درخت نامی تھی ہر روز ہر آن اسمیں دھتری ہوتی رہتی تھی اس کے قرار کی کوئی حد نہایت نہ
تھی گویا لا تقف عند حد اس کی شان تھی اور ربا الفضل کی صورت یہ ہے کہ ہمجنس اسی طرح بدلیں
کہ اسمیں ایک طرف کچھ زیادتی مقرر ہوجاتی تھی مثلاً من بھر گندم کے بدلے سوا من گندم دست
بدست یا ادھار ٹھہر جاتے تھے پھر اسمیں آگے زیادت نہیں ہوتی تھی اس لیے یہ وہ ربا تھا جسمیں خطرہ
تضاعف تو نہ تھا مگر ایک طرف ضرر زیادہ فی الجملہ تھی ظلم ناحق کچھ نہ کچھ اسمیں بھی تھا اس لیے رسول اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی رد کردیا اور تفاضل کو ہم جنس بدلنے میں حرام کیا اور مختلف الجنس
میں جائز رکھا اس حرمت تفاضل کی علت بھی وہی ہے جو ربا نسیہ میں تھی یعنی ظلم کا ہونا اس لحاظ سے
تو احادیث نبویہ تفاضل کی حرام کرنیوالی لا تظلمون کی شارح و مفسر ہونگی سو جن علماء نے ان
احادیث کو مفسر آیات ربا کہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ظلم کی بعض شاخوں کو ان احادیث نے چھانٹ
دیا ہے ورنہ اگر مفسر ہونے سے یہ مراد لیجائے کہ آیتہ حرم الربا مجمل تھی احادیث سے اس کی تفسیر
ہوگئی تو بالکل غلط ہے کہ محمل احادیث اور چیز ہے اور محمل آیتہ بالا اور چیز ہے کیونکہ آیت مذکورہ بیع نسیہ کو
محرم نہیں ہے بلکہ اس کی بیشی کو محرم ہے اور احادیث معاوضہ بیع نسیہ کو بالکل محرم ہیں فعلیٰ ہذا آیتہ
سے نقد قیمت کی بیشی حرام نہیں ہوئی اور احادیث سے نقد بیشی حرام ہے لغرض آیتہ و احادیث کے محال
جداگانہ ہیں اور مفسر و مجمل کے محال ایک ہونے ضروری ہیں بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ قرآن پاک نے
ایک نوع خاص ظلم کا انسداد کیا ہے۔ اور حدیث نبوی نے دوسری نوع خاص کی اصلاح کی ہے ہاں انسداد
ظلم سے دونوں کو تعلق ہے۔ خیر جو بات ہم کو اس تطویل کے بعد بیان کرنی ہے یہ ہے کہ نحو میں مصرح ہے

کہ حال دو قسم ہی محققہ اور مقدرہ محققہ وہ ہی جو ذو الحال میں وقت صدور فعل یا وقوع فعل پا
جاوے یعنی مضمون حال اور مضمون فعل معاً ہوں مثلاً جاءنی زید راکبا اسمیں وقت مجی زید
رکوب بھی تھی اور مقدرہ وہ ہی جو فعل کے ساتھ ذو الحال میں پایا جائے بلکہ آیندہ کسی وقت
پایا جاوے۔ جیسے فادخلوها خالدین ترجمہ۔ جنت میں داخل ہو اور ہمیشہ رہنے والے ہو
سو لفظ خالدین حال مقدرہ ہی دخول ایک آنی فعل ہی اور خلود حالت استمراری غیر منقطعہ ہی جو
وقت دخول ممکن الوجود نہیں ہی بلکہ بعد الدخول اُس کا وجود شروع ہوگا ایسے حال کا تصور تو مع
ذو الحال کے ساتھ ہوتا ہی مگر اُس کا وجود بعد میں ہوا کرتا ہی۔ سو آیت لا تاکلوا الربوا اضعافا
مضاعفة میں لفظ اضعافاً حال مقدرہ ہی حال محققہ نہیں مطلب یہ ہوا کہ وہ قسم ربا
جو آیندہ چند در چند بڑھنے والی ہی مت لیا کرو یعنی ربا نسیہ مت لیا کرو سو اس حال مقدرہ سے یہ
مفہوم نہ ہوا کہ جو سود مضاعف ہو چکا ہو اُس کو نہ لیا کرو بلکہ یہ مفہوم ہوا کہ جو سود مضاعف ہونیوالا
ہو نہ لیا کرو کیونکہ پہلے معنی کے جملہ فلکم رءوس اموالکم منافی موجود ہی اور دوسرے
معنی کے موافق ہی سو اگر اس قید کو احترازی بھی مان لیا جاوے تو اُس کا فائدہ یہ ہوگا کہ وہ قسم
جسمیں تضاعف کی قابلیت نہیں ہی یعنی ربا الفضل اُس سے یہ آیت متعلق نہیں ہی سو اس سے اُسکی
حرمت مفہوم نہ ہوگی اور کسی دلیل سے اُس کی حرمت ثابت ہو تو ہو۔ الحاصل ربا الفضل ایک
مقدار معین پر قائم ہی اُس کو ربا مضاعف نہیں کہہ سکتے اور ربا النسیہ مضاعف در مضاعف
ہو سکتا ہی تو جو شخص یہ کہے کہ اس آیت سے ربا النسیہ کی حرمت ثابت ہوئی ہی کہ وہی قابل تضاعف
ہی ربا الفضل کی حرمت اس سے مفہوم نہیں ہوئی تو یہ قول اُس کا قابل قبول ہی مگر جو شخص یہ خیال کرے
کہ اس آیت سے اُس ربا کی حرمت مفہوم ہی جو المضاعف ہو چکا ہو اُس سے کم کی حرمت اس سے
مفہوم نہیں ہوئی تو یہ قول قابل رد ہی۔ کیونکہ یہ توجیہ جب ممکن تھی کہ لفظ اضعافاً حال محققہ
مگر حال محققہ ہونا جملہ فلکم رءوس اموالکم کے منافی ہی اور ظاہر ہی کہ آیات قرآنی کے وہ معنی لیے
چاہئیں جو دوسری آیات قرآنیہ کے مخالف نہوں الغرض صحیح مطلب اس کا یہ ہی کہ جو ربا آیندہ بڑھنے

والا ہی اُس کو نہ لو لینے کے وقت خواہ بڑھگیا ہو یا نہ بڑھا ہو اب اُس کا مفہوم مخالف اگر کوئی
لے گا تو یہ لے گا کہ ربا نا قابل تضاعف یعنی ربا الفضل اس سے حرام ثابت نہوا تو ہم بھی اُس کو باور
کرتے ہیں کہ اس سے ربا الفضل کی حرمت ثابت نہوئی مگر اسکے ساتھ یہ بھی کہینگے کہ اس سے اُسکی حلت بھی
ثابت نہوئی بلکہ وہ مسکوت عنہ کے درجہ میں ہی اُسکی حلت وحرمت اور کسی دلیل سے ثابت ہو گی مگر علامہ مصری
کا یہ خیال ہی کہ جب کسی آیۃ سے ایک شے کی حرمت ثابت نہو تو اُسکی حلت اُس آیت سے ثابت ہو جاویگی سو یہ خیال
عقلاً ونقلاً فاسد ہی پھر جب اس آیۃ مقیدہ کا یہ مطلب ہوا کہ ربا نسیہ نہ کیا کرو تو دوسری آیت مطلقہ
احل اللہ البیع وحرم الربا کو اُس پر محمول کیا تو نتیجہ یہ ہوا یہ ایت بھی ربا نسیہ سے متعلق ہی ربا
فضل سے متعلق نہیں ہی پھر دونوں کے ملانے سے یہ خلاصہ نکلا کہ ربا نسیہ جو آیندہ قابل تضاعف
ہی نہ لیا کرو مگر یہ خلاصہ نہیں کہ ربا نسیہ جو المضاعف ہوا ہو لے لیا کرو کیونکہ یہ نتیجہ جب پیدا
ہوتا جب یہ حال محققہ ہوتا مگر ابھی تحقق ہو چکا ہی کہ یہ حال مقدرہ ہی جس کی تائید فلکم رؤس
اموالکم سے مثل آفتاب روشن ہی اور یہ ایسا ہی ہی جیسے من قتل قتیلاً فلہ سلبہ،
میں شخص زندہ کو بلحاظ ما یؤل ابھی سے قتیل کہدیا ہی ایسے ہی ربا نسیہ کتنی ہی خفیف شرح کا ہو آیندہ
قابل تضاعف ہی سو جیسے اس جملہ میں انعام مُردہ کے مارنے پر مرتب نہیں ہی ایسے ہی آیۃ مذکورہ میں
حرمت مضاعف لینے پر مرتب نہیں ہی بلکہ قابل تضاعف لینے پر مرتب ہی غرض آیۃ کا منشا یہ ہی کہ ربا نسیہ
مت لیا کرو کہ وہ قابل تضاعف ہی الحاصل نص مقید و مطلق کے ایک معنی پر حمل کرنے سے بھی یہی نتیجہ نکلا کہ
ربا نسیہ قلیل وکثیر یکساں حرام ہی۔

بحث جدید قابل غور

اب ہم کو یہ لکھنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہی کہ جملہ احل اللہ البیع وحرم
الربا کس کا مقولہ ہی خدا کا یا مشرکین کا کیونکہ اس تردد نے بھی علامہ مصری کو خطا کی دلدل میں
پھنسا دیا ہی اُس کا خیال ہی کہ اگر یہ مقولہ خدا ہو تو اس سے حرمت ربا ثابت ہو گی اور مقولہ مشرکین ہو تو
ثابت نہوگی مگر یہ خیال سراسر غلط ہی پوری آیت اوّل ملاحظہ ہو الذین یاکلون

الربٰوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان من المس ذلک بانہم قالوا انما البیع مثل الربٰوا واحل اللہ البیع وحرم الربٰوا فمن جاءہٗ موعظۃ من ربہ فانتہی فلہ ما سلف۔

ترجمہ۔ جو لوگ دنیا میں سود کھاتے ہیں وہ قیامت میں اُٹھ نہ سکیں گے مگر ایسے جیسے کوئی آسیب زدہ مرگی والا گرتا پڑتا اُٹھتا ہی یہ حالت اسوجہ سے ہوگی کہ وہ کہا کرتے تھے کہ بیع اور ربا ایک جیسے ہیں اور اللہ نے بیع کو حلال اور ربا کو حرام کیا ہی سو جسکو اُس کے رب کی طرف سے فہمائش پہونچی اور سود سے باز رہا سو اُس کیلیے ہی جو کچھ اس سے پہلے لے چکا تھا۔ اب عبارت میں غور کرو کہ جملہ انما البیع مثل الربٰوا لا محالہ قالوا کا مقولہ ہی اس کا مقولہ مشرکین ہونا یقینی ہی اگلا جملہ واحل اللہ البیع وحرم الربٰوا محتمل ہی کہ مشرکین کا مقولہ او تتمہ اعتراض ہو اس وقت خلاصہ یہ ہوگا کہ یہ دونوں تو باہم مماثل تھے پھر خدا نے کیوں بیع کو حلال اور ربا کو حرام کیا۔ اور محتمل ہی کہ مقولہ مشرکین صرف پہلا جملہ ہو اور جملہ احل اللہ الخ مقولہ رب العزت ہو یہ اُن کے اعتراض کا جواب جلال آمیز ہو اسوقت خلاصہ یہ ہوگا کہ وہ دونوں مماثل نہیں کہ ہمنے ایک کو حلال اور ایک کو حرام کیا ہی، چونکہ اُن کا یہ معاندانہ اعتراض تھا اس لیے جلالی جواب دیا گیا اور تفرقہ کی فلاسفی اُن کو نہ سمجھائی گئی بلکہ اپنی حکیمانہ عظمت کے تفرقہ انداز ظاہر کر دیا گیا اگر وہ مستفسرانہ وجہ دریافت کرتے تو مُعلمانہ مدلل شستہ جواب ملتا جیسا کہ آیندہ آیت میں جسمیں خطاب مومنین کیطرف ہی اُس کی فلاسفی ظاہر کر دی گئی ہی اور ارشاد ہوا فلکم روس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون چنانچہ اُس کی شرح کامل پہلے بھی گذر چکی ہی مطلب یہ ہوا کہ ربا مبنی بر ظلم ہی اس لیے حرام ہوا اور بیع مبنی پر عدل ہی اس لیے وہ حلال ہوئی۔ اب ہم کہتے ہیں کہ جملہ احل اللہ البیع الخ تتمہ اعتراض ہو۔ یا جواب اعتراض یعنی مقولہ مشرکین ہو یا مقولہ خدا ہو بہر دو صورت خدا کی تحریم پر دال ہوگا تفصیل اس کی یہ ہی کہ اگر یہ مقولہ مشرکین ہی تو خلاصہ یہی ہوگا کہ دو مماثل میں سے اُس نے ایک کو حلال اور ایک کو حرام کیوں کیا۔ اس توجیہ سے لازم آیا کہ اُن کا یہ اعتراض بعد نفاذ

تحریم تھا اور جملہ حرم الربا اسی تحریم سابق کی حکایت تھی اور کیوں نہو یہ کلام جملہ خبریہ یا ضویہ
ہی اور ظاہر ہی کہ حکایت کے لیے محکی عنہ ضرور ہوتا ہی اگر پہلے سے تحریم خداوندی نہ تھی تو اعتراض
کس بات پر تھا اور یہ حکایت کس چیز کی تھی لامحالہ کہنا پڑیگا کہ جملہ احل اللہ البیع وحرم الربا
بدایت تحریم نہیں ہی بلکہ حکایت تحریم ہی بدایت تحریم پہلے سے بذریعہ نبی علیہ السلام ہوئی ہو
یا کسی آیت سابقہ سے ہو اگر یہ جملہ مقولہ خدا ہی یعنی اُن کے اعتراض کا جواب ہی تب بھی یہ جملہ
مبدأ تحریم نہوگا بلکہ مخبر تحریم ہوگا کیونکہ جواب بعد اعتراض ہوتا ہی اور اعتراض مشرکین بعد تحریم
تھا تو لامحالہ یہ جلالی جواب خدا کی طرف سے بعد تحریم سابق ہوا اور اُسی تحریم سابق کی حکایت
اس میں ہی الغرض چونکہ یہ جملہ خبریہ ہی حاکی اس کا خدا ہو یا مشرکین لامحالہ سابق تحریم کی اس میں
حکایت ہی یہ جملہ مبدأ تحریم کسی طرح نہیں ہوسکتا ہی دلائل آخری سے بھی پتہ لگتا ہی کہ اس کے
نزول سے پہلے ربا حرام ہوچکا تھا۔ متعدد احادیث نبویہ اور آثار صحابہؓ وتابعینؒ سے ثابت ہی
کہ سورہ بقر کی آخری آیات ربا وسلم قریب الوفات نازل ہوئیں ہیں تفسیر اتقان میں علامہ جلال
الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہی عن ابن شہاب قال آخر القرآن
عہدا بالعرش آیت الربا وآیت الدین ترجمہ۔ سب سے آخری حصہ قرآن کا عرش سے
اترنے میں ربا اور سلم کی آیۃ ہی وعن سعید بن المسیب انہ بلغہ ان احدث القرآن
بالعرش آیۃ الدین مرسل صحیح الاسناد ترجمہ۔ سعید سے مروی ہی کہ اُن کو صحابہ سے پہنچا
ہی کہ عرش سے اترنے میں تمام قرآن میں سے آیۃ سلم سب سے پیچھے ہی اور فتح الباری شرح بخاری
میں ہی۔ وحکی ابن عبد السلام ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم عاش بعد
الآیۃ المذکورۃ احد وعشرین یوما وقیل سبعا وعن ابن جریج قال
یقولون انہ مکث تسع لیال...... ترجمہ۔ ابن عبد السلام نے
روایت کیا ہی کہ آپ بعد آیت ربا مذکورہ کے اکیس دن زندہ رہے اور بعض کہتے ہیں
کہ سات دن زندہ رہی اور ابن جریج سے مروی ہی کہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ نو شب اُس کے بعد زندہ

رہے بہرحال کوئی روایت بھی اُن میں سے صحیح ہو سب کا قدر مشترک یہ ہی کہ آیت ربا قریب الوفات نازل ہوئی تھی اور حدیث عمری بھی جو ابن ماجہ و دارمی میں ہی اس کی تائید کرتی ہی۔ وعن عمر بن الخطاب ان آخر ما نزلت آیۃ الربا وان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبض ولم یفسرھا لنا فدعوا الربا والریبۃ **ترجمہ** حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہی کہ آیات منزلہ سے سب سے پچھلی آیت ربا ہی اور آپ وفات پاگئے اور اُس کی تشریح کچھ ہم سے نہ فرمائی سو ربا اور شبہ ربا سے بچے رہو۔

نکتہ جدید

یہاں ایک نکتہ درمیانی یاد رکھنے کے قابل ہی جو لوگ کہتے ہیں کہ حدیث نبوی جس میں گندم چنا وغیرہ چھ چیزوں کا ذکر ہی وہ آیت ربا کی تفسیر ہی اُن کے قول کو یہ ارشاد عمریؓ رد کرتا ہی کہ آپ نے اس آیت کی تفسیر نہیں فرمائی حالانکہ حضرت عمرؓ سے اشیاء ستہ والی حدیث صحیحین میں منقول ہی چنانچہ صحیحین میں ہی۔ عن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الذھب بالذھب ربا الا ھاء وھاء والورق بالورق ربا الا ھاء وھاء والبر بالبر ربا الا ھاء وھاء والشعیر بالشعیر ربا الا ھاء وھاء والتمر ربا الا ھاء وھاء متفق علیہ ترجمہ۔ یعنی عمرؓ سے مروی ہی کہ آپ نے فرمایا سونا بدلے سونے کے اور چاندی بدلے چاندی اور گیہوں بدلے گیہوں کے جو بدلے جو کے اور کھجور بدلے کھجور کے سود ہی مگر ہاتھ بہ ہاتھ مگر یہ بجائے خود ایک جداگانہ اصلاح معاملہ ہی مگر یہ حدیث آیت قرآنی کی تفسیر نہیں ہی کیونکہ آپ نے اُس کی تفسیر ہی نہیں فرمائی ہی سو یہ ادعائے تفسیر لوگوں کا خالی خیال ہی مقصود عمریؓ یہ ہی کہ آیت ربا کوئی مجمل مبہم نہ تھی کہ آپ اُس کی تفسیر فرماتے بلکہ وہ کھلی ظاہر المعنی آیت ہی اسی واسطے اُس کو بلا تفسیر چھوڑا ہی ہاں با قرآنی کی تخصیص جو ملحق بالربا ہیں اُنکو آپ نے بالتشریح بیان نہیں فرمایا بلکہ اُن کی تعداد مع ستر بالکم و بیش ظاہر فرمائی ہی جیسا کہ آیندہ وہ ارشاد آتا والا ہی سو ربا کو اور شبہ ربا

کو چھوڑ دو اس جملہ سے معلوم ہوا کہ ذہن عمری میں با جدی چیز تھی اور ریبہ جدی چیز تھی اگر ربا مشتبہ المعنی ہوتا تو دھوا کہ ربا نفرما سکتے تھے کیونکہ جو چیز معلوم الماہیت ہی نہ ہو اُس کی نسبت کوئی حتمی حکم نہیں دیا جا سکتا ہے ہاں ریبہ تردد انگیز معاملات تھے جس کے بارہ میں کوئی نص خاص مفسر نہیں آئی تھی سو عمر فاروق نے اُس سے بچنے کا حکم بھی بربنائے احتیاط دیا ہے چنانچہ علاوہ اشیاء ستہ مذکورہ کے اور چیزوں میں ائمہ اربعہ وجماعت صحابہ وتابعین میں باہم اختلاف عظیم ہے مگر یہ اختلاف عظیم ربا الفضل سے متعلق ہے جس کی حرمت بحدیث نبوی منقول ہے ربا نسیہ کے جو قرآن سے حرام ہوا ہے اس اختلاف کو کوئی تعلق نہیں ہے سو اس اختلاف باہمی سے قرآنی ربا ہرگز مشتبہ المراد نہیں ہوسکتا ہے تو اُس کو مجمل کہنا بھی درست نہیں ہوگا۔ منشاء عمر کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ ربا جس کے بارہ میں آیت نازل ہوچکی ہے چھوڑ دو اور ریبہ جس کے تعداد سطر بالا اجمال مذکور ہے اور اُن کی حلت وحرمت مشتبہ حالت پر ہے اُس کو بھی چھوڑ دو۔ خیر اب پھر اصل مقصود کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ گزشتہ آثار حدیث سے معلوم ہوا کہ آیت با قریب الوفاۃ نازل ہوئی علیٰ ہذا آیت مداینۃ یعنی آیت سلم بھی جو بعد آیات ربا سورۂ بقر میں ہے آخر میں ہی نازل ہوئی مگر ربا کی حرمت اور سلم کا جواز مدتوں پہلے عہد نبوت میں ہوچکا تھا چنانچہ بخاری ومسلم میں ہے کہ آپ مدینہ میں آتے ہی سلم کو جائز رکھا اس کے دلائل غور سے ملاحظہ فرماویں کہ یہ ایک نیا دعویٰ معلوم ہوتا ہے کان اس سے آشنا نہ تھے۔ آپ کی معراج قبل الہجرۃ ہوئی معراج میں آپ کو منجملہ آیات کبریٰ جہنم میں سود خواروں کی حالت دکھائی گئی ہے مسند احمد اور سنن ابن ماجہ میں ہے

عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اتيت ليلة اسري بي على قوم بطونهم كالبيوت فيها الحيات ترى من خارج بطونهم فقلت من هؤلاء يا جبريل فقال هؤلاء اكلة الربا۔

ترجمہ۔ آپ نے فرمایا کہ میں شب معراج ایک قوم پر سے گذرا جن کے پیٹ گھروں جیسے فراخ تھے اُن پیٹوں میں بہت سے سانپ تھے کہ وہ باہر سے نظر آتے تھے میں نے پوچھا کہ جبریل یہ کون

لوگ میں جواب دیا کہ یہ سود کھانے والے لوگ ہیں۔ اہل عقل غور فرماویں کہ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ سود خواروں کی حالت بچشم خود معراج میں ملاحظہ فرما چکے ہوں مگر اُسکی تحریم سے وفات کے قریب تک زبان مبارک بند رکھی ہرگز نہیں لامحالہ آپنے اُس کی تحریم اول سے ہی نافذ فرمادی ہوگی علاوہ بریں مکہ ہی میں یہ آیت نازل ہو چکی تھی ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاءِ ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے انصاف اور سلوک کا اور اقربا کی دستگیری کا اور منع کرتا ہے بیحیائی اور بدی اور ظلم سے۔ تو کیا ممکن ہے کہ حکمت خداوندی سود ی بغی سے تاوفات نبی خاموش رہتی ضرور آغاز اسلام سے مکارم اخلاق کی ہدایت اور مخرب نظام تمدن معاملات سے ممانعت ہوئی ہوگی کیوں نہوتی تمام گزشتہ ادیان سماویہ میں ربا کی حرمت قائم رہی ہے چنانچہ دربارۂ یہود ارشاد ہے؛ واخذھم الربا وقد نھوا عنہ ترجمہ۔ اور اُن کا سود لینا حالانکہ وہ اُس سے روکے گئے تھے۔ تو کیا ایسے سفاکانہ بے رحمانہ معاملہ سے مدتوں خدا کی طرف سے اغماض ہو سکتا تھا یا یوں کہو اس کی برائے چندے اباحت ہو سکتی تھی ہرگز نہیں الغرض خدا کی طرف سے ربا کی اباحت اسلام میں کبھی ہوئی اور نہ رسول علیہ السلام کی طرف سے کبھی اس کی مذمت میں کوتاہی ہوئی بلکہ اُس کے انسداد میں عملی و لسانی سعی فرماتے رہے چنانچہ حجۃ الوداع میں جو نزول آیت ربا سے بہت پہلے ہے آپنے ربا کی ممانعت اپنے پُراثر خطبہ (لکچر) میں ظاہر فرماکر اپنا خاندانی سود مع اصل کے معاف فرمایا۔ مسلم شریف میں ہے وربا الجاھلیۃ موضوع واول ربا اضع من ربانا ربا عباس بن عبد المطلب فانہ موضوع کلہ ترجمہ۔ زمانہ جاہلیت کا قدیمی سود پامال کیا گیا اور سب سے پہلا ربا جو مجکو اپنے خاندان کا معاف کرنا ہے وہ چچا بزرگوار عباس کا ہے وہ مع اصل کے معاف ہے اور ظاہر ہے کہ یہ قصہ جملہ احل اللہ البیع وحرم الربوا سے بہت پہلے ہے کیونکہ یہ حج وفات سے تقریباً ساڑھے تین ماہ پہلے تھا اور آیت معلومہ زیادہ سے زیادہ اکیس دن پہلے وفات سے نازل ہوئی تھی ان سب قواعد و شواہد پر

نظر کرکے لامحالہ کہنا پڑیگا کہ آیت وحرم الربا ابتداءً محرم ربا نہیں ہی بلکہ مخبر تحریم سابق
وہ خواہ مقولہ خدا ہو یا مقولہ مشرکین حکایت تحریم ہی بدایت تحریم نہیں ہی اُس کی تحریم
آغاز اسلام سے برابر تھی مجکو یاد پڑتا ہی کتب تواریخ میں میں نے دیکھا تھا کہ حضور اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اقوام مشرکین سے معاہدات کئے تھے تو اُس میں یہ شرط تھی
کہ سود کا داد وستد نہ کرسکیں گے واقفین سیر اُس کو یہاں بطور حاشیہ تحریر فرمادیں غالباً
بیہقی نے باب الصلح میں نقل کیا ہی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار نجران کے ساتھ چند
شرائط پر صلح کی تھی منجملہ شروط یہ جملہ بھی اُس میں تھا مالم یحدثوا حدثا ویاکلوا الربا
ترجمہ۔ یعنی جبتک کہ کسی نئے فتنہ کے مرتکب نہوں اور سود خواری نہ کریں۔ الغرض ایسے
معاہدات تو نزول آیت ربا سے بہت پہلے تھے سو نتیجہ یہی رہیگا کہ یہ جملہ مبدا تحریم نہیں
ہی بلکہ اعادہ ذکر تحریم ہی مبدا تحریم اور کوئی وحی غیر متلو ہے جسکو حدیث نبوی کہتے ہیں تا وحی
متلو ہی جس کو آیت قرآنی کہتے ہیں اگر کسی کی اس بیان سے تشفی نہیں ہوئی تو خیر ہم آیت
قرآنی سے ثابت کرتے ہیں کہ تحریم ربا بہت پہلے ہوچکی تھی اور آیت واحل اللہ البیع
وحرم الربا بہت پیچھے نازل ہوئی ہی۔ لاتاکلوا الربا اضعافا مضاعفة کی شرح
اور اُس کا وقت نزول سنیئے یہ آیت تضاعف سورۂ آل عمران میں ہی اور اس آیت کے ماقبل
ومابعد غزوہ احد کے حالات ہیں جو ۳ھ میں واقع ہوا تھا سو سیاق آیت سے معلوم ہوتا ہی
کہ اس کا نزول بعد غزوہ احد متصلاً ہوا ہی اگرچہ مہینے اور دن کا پتہ نہیں لگا ہی اور آیت و
احل اللہ البیع وحرم الربا یقیناً قریب لوفاۃ نازل ہوئی سو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ یہ
نص مطلق پہلی نص مقید پر محمول ہی تو دونوں کا مصداق ایک ہی ہوگا مگر ثمرہ اس حمل اتحادی
کا یہ ہوگا کہ دونوں آیات ربا نسیہ سے متعلق ہیں۔ یہ نہیں کہ پہلی تو نسیہ سے متعلق ہو اور دوسری
ربا الفضل سے متعلق ہے لیکن علامہ مصری وغیرہ نے جو ثمرہ اس اتحاد کا زعم کیا ہی کہ کم از
مضاعف ربا جائز ہی ہرگز نہیں ہی کیونکہ ذکر تضاعف بغرض استعظام جرم ہی اور وہ حال مقدرہ

ہی قید حائل نہیں ہوتا ہی یہ حال متحقق نہیں ہی تا کہ وہ قید لا تاکلوا کی ہوتا اور مطلب یہ ہوتا کہ اضعافاً مضاعفۃً ہو تو نہ لو اور اُس سے کم جائز ہی اگر منشا خداوندی یہ ہوتا تو یہ قانون عام تجویز نہ ہوتا فلکم رؤس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون سو اس نص صریح پر غور کرو کہ وہ اصلی دین لینے کی اجازت دیتی ہی اور اُس پر زیادہ ستانی کی ممانعت کرتی ہی اور اُس کو ظلم تعبیر فرماتی ہی سو ہر فہم انصاف والا غور کرے کہ تصریح نہی کے ہوتے ہوئے کس طرح اُس قید تضاعف کو تقییدی و احترازی مان سکتے ہیں کسی قید کے احترازی ماننے میں یہ شرط ہی کہ بجانب مفہوم مخالف کوئی نص مخالف نہو اگر ہو تو بالاتفاق وہ قید اتفاقی ہوگی جو کسی خاص وجہ سے ذکر کی گئی سو یہاں نص مخالف موجود ہی اور ذکر تضاعف بغرض تعیین قسم ربا ہوا ہی یعنی بغرض تعیین ربا النسیہ ہی کیونکہ ربا الفضل میں زیادہ بالیدگی نہیں ہی اور نہ وہ اس درجہ تباہی خیز ہے جسقدر ربا النسیہ ہی ہر ربا النسیہ کم شرح والا ہو یا بڑی شرح والا ہو قابل تضاعف ہی سو چونکہ وقت نزول آیت مذکورہ عموماً ربا النسیہ جاری تھا اس لیے اُس کی نہی کی گئی اور اُس کو بربا مضاعفہ تعبیر کیا گیا ہی پھر آگے ربا الفضل کا حیلہ سوچا گیا ہوگا سو اُس کی ممانعت بحدیث نبوی ہوئی ہی جیسا کہ اُس کا ذکر آگے آ دیگا الغرض آیۂ عمران تقریباً سات برس پہلے نازل ہوئی اور آیۂ بقرہ سات برس بعد نازل ہوئی جو مطلق ہی اس میں حرم الربا ہی لفظ الربا معرف باللام ہی اُس سے وہی ربا النسیہ مراد ہی جو آیۂ عمران میں مراد تھا سو حمل ایک کا دوسری پر بقاعدہ اصول ٹھیک ہی مگر علامہ مصری وغیرہ کا یہ نتیجہ نکالنا غلط ہی کہ آیۂ عمران سے اضعافاً مضاعفہ کی حرمت ثابت ہی کیونکہ لفظ اضعافاً حال مقدرہ ہی جو آیندہ حالت پر دلالت کرتا ہی مطلب یہ ہوا کہ ربا جو روز افزوں ہوتا ہوا دو گونہ سہ گونہ ہو جاتا ہی مت لیا کرو اور اگر تو عہد عربیہ سے قطع نظر کیجاتی ہی تو علامۂ موصوف کو یہ کہنا چاہیئے تھا کہ سہ گونہ سے کم کی حرمت قرآن سے ثابت نہیں ہی مگر آیت قرآنی فلکم رؤس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون ایسی نص صریح محکم المعنی ہی کہ اُس نے علامہ موصوف کے خیال خام کی قلعی کھولدی ہی اگر قرآن میں

یہ آیت نہوتی تو علامہ مذکور کا خیال چل بھی جاتا مگر اس آیت کے ہوتے ہوئے کوئی مسلمان جسکے دل میں نور ایمانی ہے علامہ کا ہمخیال نہیں ہوگا۔ الغرض جب آیتہ حرم الربا کو پہلی آیت پر حمل کیا تو اور بھی واضح ہوگیا کہ وہ تحریم سابق کی حکایت ہے خود ابتدائی محرم نہیں ہے بلکہ اُس کی تحریم حق تو یہ ہے کہ آغاز اسلام سے تھی مگر کم از کم اتنا تو ضرور کہنا پڑیگا کہ جملہ احل اللہ البیع وحرم الربا کے نزول سے سات برس پہلے بآیت عمران اُس کی حرمت ہو چکی تھی۔
شاید کسی کو خلجان ہو کہ یہ کیا بات ہے کہ نزول آیت تو بعد میں ہوا اور حکم اس کا مدتوں پہلے جاری ہو چکا ہو۔ سو یہ کوئی التعجب انگیز نہیں ہے اس کی نظائر سے قرآن پاک لبریز ہے وضو آغاز نبوت سے جاری تھا مگر آیت وضو بعد الہجرت سورۂ مائدہ میں نازل ہوئی اور جمعہ قبل الہجرت مکہ میں فرض ہوا اور مدینہ میں آپکی ہجرت سے پہلے آپکے امر سے مہاجرین اولین نے اُس کو قائم فرمایا پھر آپنے مدینہ پہونچتے ہی اُس کا اہتمام برابر فرمایا مگر سورۂ جمعہ جس میں إذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع ہے بعد قدوم ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ساتویں سال ہجری بعد فتح خیبر نازل ہوئی اس کا ترجمہ یہ ہے۔ ترجمہ۔ جمعہ کی نماز کے لیے اذان دیجاوے تو یاد خدا کے لیے جلدی کرو اور خرید و فروخت بند کرو۔ سو ایسے ہی آیت ربا اور آیت سلم ہیں کہ اُن کا نفاذ بتوسط نبی علیہ السلام مدتوں پہلے تھا مگر اُس پر جب سفیہانہ اعتراض زبان مشرکین پر شایع ہوا تو اُس کا جواب دیا گیا اور کچھ ہدایات ضروریہ سے آگاہ کیا گیا اور ربا کے بدلے بیع السلم کی بھی تفصیل کردی گئی بالجملہ جملہ احل اللہ البیع وحرم الربا کلام خبری ہے اس کا محکی عنہ پہلے معروف ہو چکا تھا سو یہ اگر مقولہ مشرکین ہو تب بھی پہلی تحریم کی حکایت ہے اور اگر مقولہ خدا ہے تب بھی حکایت تحریم ہے انشار تحریم اس آیت سے شروع نہیں ہے بہر دو صورت یہ جملہ تحریم خداوندی پر یقیناً دال ہے علامہ مصری کا یہ تردد کہ اگر مقولہ مشرکین ہو تو دال بر تحریم خداوندی نہوگا سخت تعجب انگیز ہے ظاہر ہے کہ اعتراض منکرین بلا تحریم خداوندی کیونکر ہو سکتا تھا تو اعتراض کورخود مستلزم ہے کہ تحریم ربا منجانب اللہ پہلے

سے ہو چکی تھی باقی اس کی تحقیق کہ اس کا مقولہ مشرکین ہونا ارجح ہے یا مقولہ خدا ہونا ایک غیر ضروری
بحث ہے کیونکہ مطلب بہر صورت یکساں حاصل ہے مگر سیاق عبارت میں غور کرنے سے اس کا
مقولہ خدا ہونا اور اس کے اعتراض کا جلالی جواب ہونا اصوب ہے کیونکہ در صورت دوم لازم آئیگا
کہ اللہ پاک نے ان کا اعتراض تو نقل کیا مگر جواب سے سکوت کیا اور اس کی نظیر قرآن میں کہیں نہیں
پائی جاتی ہے دوسری خرابی یہ ہے کہ اگلے جملہ کی تفریع ماقبل پر بلا اس کے موزوں نہیں ہوتی کہ
جملہ اَحَلَّ اللّٰہ مقولہ خدا ہو اگلا جملہ یہ ہے فَمَن جَاءَهُ موعظة من ربه فانتهى فله ما سلف
ترجمہ۔ سو جس کو خدا کی طرف سے فہمائش پہونچی اور سود لینے سے باز آیا تو اس کے لیے ہے
جو کچھ پہلے لے چکا ہے۔ اس جملہ کا فائے تعقیبیہ سے ماقبل پر متفرع کرنا مقتضی ہے کہ وہ موعظت جملہ
سابقہ ہو ورنہ مصداق موعظت اور کوئی تاویلات تلاش کرنا پڑیگا۔ جمہور مفسرین اسی قول کی طرف گئے
ہیں فتح الباری شرح بخاری میں ہے قوله تعالى اَحَلَّ اللّٰهُ البَيعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا
يحتمل ان يكون من تمام الاعتراض الكفار حيث قالوا انما البيع مثل
الربوا اى فلما احل هذا وحرم هذا ويحتمل ان يكون ردًّا عليهم
ويكون اعتراضهم بحكم العقل والرد عليهم بحكم الشرع الذى لا معقب
لحكمه وعلى الثانى اكثر المفسرين واستبعد بعض الحذاق الاول وليس ببعيد
شرح الجزء الثامن عشر۔ ترجمہ۔ جملہ احل اللہ البیع وحرم الربوا محتمل ہے کہ مشرکین
کے اعتراض کا تتمہ ہو کہ کہتے تھے بیع مثل ربا ہے پھر کیوں اس کو حلال اور اس کو حرام کیا اور
محتمل ہے کہ یہ ان کے اعتراض کا منجانب اللہ رد ہو۔ ان کا اعتراض تو بے عقل ہوگا اور جواب
بحکم شرع ہو جس کو کوئی باطل کرنیوالا نہیں ہے اکثر مفسرین دوم احتمال پر متفق ہیں اور بعض
ماہرین علم نے پہلے احتمال کو نہایت بعید سمجھا مگر زیادہ بعید نہیں ہے۔

حرمت ربا کی عقلی فلاسفی

مشرکین کو یہ شبہ لاحق تھا کہ ہم ایک روپیہ مالیت کی چیز دس روپیہ کو مثلاً فروخت کر سکتے ہیں اور شریعت اسلامی بھی اس کو جائز ٹھہراتی ہے تو اگر ہم اس کو ایک روپیہ اُدھار پر فروخت کرکے ایک روپیہ ماہوار کے حساب سے دس ماہ میں دس روپیہ لیں تو اس میں کیا حرج ہوا بلکہ دس روپیہ ایکدم سے لینا زیادہ معیوب ہے اس سے کہ دس ماہ میں تھوڑا تھوڑا کرکے لیویں۔ مگر عقل سلیم ان دونوں شکلوں میں زمین و آسمان کا فرق سمجھتی ہے اور پہلی شکل کو جائز ٹھہراتی ہے اور دوسری کو ناجائز۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ پہلی صورت میں خریدار کو وسعت اور شئی مطلوب کا شدید الحاجت ہوگا اور عقل کا مقتضے ہے کہ اگر مثلاً ہم کو پیاس شدید لگی ہوئی ہے اور روپیہ دس ہمارے پاس ہے تو ایک پیالہ پانی دس روپیہ میں خرید لیں گے اور اپنی حاجت پوری کرینگے کیونکہ دس روپیہ سے ہماری حاجت پوری نہیں ہوسکتی ہے جو پیالہ پانی سے ہوسکتی ہے اور ظاہر ہے کہ گرانی و ارزانی کی اصلی علت شدت حاجت اور قلت حاجت ہے یہی وجہ ہے کہ مختلف الجنس اشیاء کے مبادلہ میں تفاضل کیسا ہی ہو عقلاً و شرعاً جائز ہے بشرطیکہ دست بدست مبادلہ ہو البتہ بایں طور کہ اُدھار کیوں درست نہیں ہے اس کی وجہ ہم آگے زرا مبسوط لکھینگے منتظر رہیئے۔ الغرض بدلیں گے مختلف الاغراض ہونے میں بازاری قیمت کا لحاظ نہیں ہے بلکہ اپنی اپنی حاجت تعیین قیمت کا پیمانہ ہے ایک وقت میں دس روپیہ کی چیز ایک روپیہ میں خرید و فروخت کر سکتے ہیں اور کسی وقت اس کے برعکس ایک روپیہ کی چیز دس میں لے دے سکتے ہیں یہاں ہر ایک دوسرے کا ممد و مددگار ہوتا ہے اور دونوں ادائے بدل پر قادر ہیں اس لیے برضا طرفین مبادلہ طے شدہ عقلاً و شرعاً درست رہا۔ اور دوسری صورت میں خریدار علی الاکثر نادار ہوتا ہے اور شئی مبیع کا حاجتمند اس نے ایک ماہ کی میعاد پر وہ شئی ایک روپیہ میں خریدی تو بعد انعقاد معاملہ خریدار مستحق مبیع ہوگیا اور بائع مستحق ثمن مقرر ہوگیا تو جیسے خریدار مقدار مقررہ مبیع سے زائد طلب کرنے لگے تو عقلاً و نقلاً

وہ ظالم وجابر متصور ہوگا کہ اپنے استحقاق سے زائد مانگتا ہے اور ظاہر ہے کہ بلا استحقاق یا زائد از
استحقاق طلب کرنے کا ہی نام ظلم ہے ایسے ہی اگر بائع کی شدہ ثمن موجل سے زائد طلب کرے
تو ظالم ہوگا اصل لم یہ ہے کہ معاملہ کی تمامی خواہ بیع ہو یا اجارہ قرض ہو یا دین دونوں کے ذمہ
ایک حق معین عائد کر دیتی ہے پھر اس سے زیادہ جو بھی طلب کرے ظلم و تعدی کا مرتکب ہوگا اب اگر
مدیون نادار ہے میعاد مقرر پر ادا نہ ہو سکا تو قانون ہمدردی اس کو مقتضی ہے کہ اس کو مہلت
دیجائے یا کل یا جز معاف کر دیا جائے کیونکہ ذی وسعت لوگوں پر تنگدست لوگوں کے ساتھ
سہولت و معاونت اخلاقی فرض ہے اس لیے اسلام نے اغنیاء کے ذمہ سالانہ ایک رقم مقررہ
ناداروں کے لیے فرض کر دی ہے خیر اگر کوئی شخص اپنی اخلاقی کمزوری سے اس کو فرض نہ سمجھے
تو تنگدست کے ساتھ ایسا سلوک کرنا عند اللہ و عند الناس موجب ستائش تو ضرور سمجھیگا اور
اس کے خلاف کو موجب ملامت جانیگا اگر وہ نہ جانے تو زبان خلق اس کو جاننے پر مجبور کریگی
جب عقل سلیم جو آمیزش ہوائی سے مستغنی ہو اور خود غرضی کے جذبات سے مبرا ہو یہ حکم کرتی ہے
کہ نادار کے ساتھ اگر سلوک کیا جائے تو اتنا تو ہو کہ زیادہ بار اس پر نہ ڈالا جاوے تو اسلام جو
قوانین فطری کا مجموعہ ہے اور مکارم اخلاق کا متمم ہے کیونکر اجازت دے سکتا تھا کہ نادار کیساتھ
بجائے ہمدردی کے جور و تعدی کیجاوے اور سفاکانہ بے رحمی کے ساتھ اس مرتے کو اور مارا جاوے
اور اس کا خون چوس چوس کر بڑے ایذا کریں لہذا اس نے قانون ہمدردی نافذ کر دیا اور مدیون
نادار کے لیے یہ نص قانونی قائم کر دی۔ وان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ وان
تصدقوا خیر لکم ان کنتم تعلمون۔ اگر مدیون تنگدست ہو تو مہلت دیجائے فراخی تک اور بالکل معاف
کر دو تو تمہارے حق میں بہتر ہے اگر کچھ سمجھ رکھتے ہو سبحان اللہ اس زریں اصول سے بڑھکر کیا
کوئی قانون ہو سکتا ہے مگر افسوس کہ ہمنے اس قانون کو ہاتھ سے چھوڑ دیا اور مسرفانہ ناعاقبت
اندیشی سے غیر اقوام سے معاملات سودی کرنے شروع کر دیے اور چند روز بعد برباد و تباہ ہوگئے
ذلک بما قدمت یداک و ان اللہ لیس بظلام للعبید یہ تباہی تمہارے ہاتھوں کی کرتوت ہے

اللہ تو اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہی افسوس ہی کہ علامہ مصری یا دیگر نو فیشن نئی روشنی کے دلدادہ یورپ کے خود غرضانہ قوانین کو معیشت حلال خیال کرتے ہیں اور خدائی وعید سے اندھے بہرے بنتے ہیں ہم ذیل میں علامہ مصری کی عبارت بجنسہ لکھتے ہیں اور اس کے بیباکانہ انداز بیان کا فیصلہ خدائے ذو الجلال کے حوالہ کرتے ہیں ناظرین عبارت رسالہ خیال فرمالیویں کہ کیا ایسا بیباک شخص بھی ریفارمر قوم ہوسکتا ہی۔

مسلمان شراب پیتے ہیں مگر سمجھتے نہیں سود دیتے ہیں مگر لیتے نہیں گویا دین و دنیا کا خسارہ اُنہیں کے لیے ہی دنیا کا خسارہ تو یہ ہوا کہ روزی ملنے کا جو ذریعہ تھا وہ اُس کو حرام سمجھتے ہیں اور دین کا خسارہ یہ ہی کہ قرآن کی خلاف ورزی کر کے عاقبت خراب کر ڈالتے ہیں علامہ موصوف نے اتنی کسر چھوڑ دی کہ یوں بھی ارقام فرمادیتے۔ مسلمان قوم زنا کرتی ہی مگر اپنی جورو بیٹی سے زنا نہیں کراتی ہی ناحق زنا کی خرچی حرام سمجھتے ہیں۔ افسوس کہ قرن صحابہ سے لیکر اسوقت تک جنھوں نے سود کو حرام سمجھا وہ بزعم علامہ مصری قرآن کے خلاف ورزیں سے آدمیاں گم شدند ملک خدا خر گرفت ✤ علی ہذا علامہ مصری فرماتے ہیں ربا جاہلیت مور د نہی وہ ہی جسمیں دونے دن کی شرط ہو۔ قرض جر نفع والا حرام نہیں ہی کوئی حدیث اسمیں صحیح نہیں ہی انتہیٰ۔ اے ناظرین خوش فہم آپ نے قید اضعاف مضاعفہ کی بحث تو گزشتہ اوراق میں نہایت مفصل و مدلل ملاحظہ فرمائی ہی اب علامہ مصری کی یہ کم فہمی بھی ملاحظہ فرمادیں کہ نص عام کو مورد خاص کے ساتھ مخصوص سمجھتا ہی حالانکہ فن اصول کا یہ قاعدہ تمام عقلاء و حکماء کے نزدیک مسلم ہی کہ اگر کسی وقعہ خاص کا کوئی حکم بلفظ عام وارد ہو تو وہ نص عام اپنے تمام افراد کو حاوی ہوگی محض اُس واقعہ خاص ہی کیساتھ مخصوص نہوگی چونکہ علامہ موصوف کو ربا کا تدلیس پورا کرنا تھا تو یہاں قاعدہ اصول ہی آنکھ چرائی اور حرام کو حلال کرنے کی ٹھرالی ہی صاحبو! نص عام تمام افراد کو عام ہی ہوا کرتی ہی اگرچہ اُس کا ورود کسی خاص فرد کے بارہ میں ہوا ہو ہم قرآن سے صرف ایک مثال لکھدینا کافی سمجھتے ہیں اور زیادہ مثالیں خود ناظرین تلاش کر کے نکال لیویں

نصِ عام خاص مورد کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتی ہے بلکہ جمیع مماثلات مورد کو شامل ہوتی ہے

فنِ اصول میں قاعدہ مقرر ہے کہ العبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص السبب ترجمہ۔ نصوصِ شرعیہ میں لفظ کے وسعت کا لحاظ ہوتا ہے نہ کہ سببِ نزول کی خصوصیت کا خلاصہ اس کا یہ ہے کہ اگر کوئی حکمِ شرعی بلفظِ عام وارد ہو مگر جس وجہ سے وہ حکم آیا تھا وہ کوئی خاص امر تھا تو وہ حکمِ عام اپنے تمام افراد کو شامل ہوگا یہ نہیں کہ وہ اس خاص امر کے ساتھ مخصوص ہو مثلاً آیت ذیل ایک خاص موقع میں نازل ہوئی مگر وہ دیگر مواقع کو بالاتفاق شامل ہے آیت یہ ہے۔ ان اللّٰہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا ترجمہ۔ اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کو واپس کر دیا کرو۔ اس کا نزول ایک خاص سبب میں ہوا اس کا قصہ یہ ہے کہ بروز فتح مکہ اپنے بیت اللہ میں داخل ہونے کا قصد فرمایا عثمان بن طلحہ اس وقت بوراثت خاندانی خانہ کعبہ کے کنجی بردار تھے اس سے آپ نے کنجی طلب کی اس نے پس و پیش کے بعد رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی امانت پر بھروسہ کر کے آپ کے حوالہ کر دی حضرت عباس عم رسول اللہ آپ سے ملتجی ہوئے کہ اس وقت سے نیا دورِ اسلامی شروع ہوا کنجی برداری کا منصب مجکو عطا فرما دیا جائے قدیمی کنجی بردار کا بدستور رہنا مناسب نہیں ہے آپ ابھی خانہ کعبہ کے اندر ہی تھے کہ یہ آیت آپ پر نازل ہوئی آپ نے باہر نکلکر وہ کنجی عثمان بن طلحہ کے حوالہ کر دی اور سب کو یہ آیت پڑھکر سنا دی اس آیت میں لفظ امانات نہایت وسیع المعنی صیغہ جمع ہے امانت مالی و قولی و عملی سب کو شامل ہے اسیواسطے حدیث شریف میں وارد ہے کہ کسی کا اپنے بھائی کو بدمشورہ دینا خیانت صریحہ ہے پھر قسم مالی ہر قسم دین لجب الادا اور ودایع و عواری اور زر قرض و زر رہن وغیرہ کو شامل ہے چنانچہ آیت سلم میں ہے فان امن بعضکم بعضاً فلیؤد الذی اؤتمن امانتہ ولیتق اللّٰہ ربہ

ترجمہ۔ اگر بعض کو بعض پر بھروسہ ہو تو بھروسہ والا شخص اپنی ذمہ کی چیز کو ادا کرے اور اپنے پروردگار سے ڈرتا رہے۔ اس آیت میں با تفاق امانت سے مراد دین واجب فی الذمہ ہی تو پہلا آیۃ میں بھی دین واجب داخل ہوگا لا محالہ پہلے آیت محض ودیعت کو شامل نہ ہوگی بلکہ ہر واجب الادا چیز کو شامل ہوگی سو جیسے اس آیت کا مورد ایک خاص امر تھا مگر وہ دیگر امور کو بھی شامل ہے ایسے ہی آیت حرم الربا کا مورد یعنی سبب نزول ایک خاص شکل تھی مگر وہ دیگر اشکال کو بھی شامل ہوگی اس کی تفصیل یہ ہی کہ عہد نبوت میں نقد روپیہ و اشرفی کی بہتات اسقدر نہ تھے جسقدر اب ہی کیونکہ اسوقت طوائف الملوکی کے ساتھ خانہ جنگی کا زور شور تھا عرب لوگ کسی متمدن سلطنت کے زیر سایہ نہ تھے امن عامہ کا وجود نہ تھا کہ تجارت میں ترقی ہوتی اور نقد اموال کی فراوانی ہوتی اس لیے سود کی داد وستد کی شکل یہ تھی کہ مال تجارت اُدھار فروخت ہوتا تھا اور وقت میعاد اگر دیوں کو قدرت ادا نہ ہوتی تو کچھ میعاد بڑھا دیجاتی تھی اور زر مطالبہ پر کچھ افزایش کر دیجاتی تھی غرض ہر میعاد پر جدید افزایش لصلاح طرفین ہوتی رہتی تھی انجام کار تباہی خیر صورت پیش آتی تھی چنانچہ تفسیر ابن جریر طبری میں ہی ص ۶۲ پارہ ۳

عن قتادة ان ربا الجاهلية ان يبيع الرجل البيع الى اجل مسمى فاذا حل الاجل ولم يكن عند صاحبه قضاه زاده واخر عنه ترجمہ۔ قتادہ سے مروی ہی کہ جاہلیت کا ربا یوں تھا کہ ایک شخص کوئی سودا اُدھار فروخت کرے ایک میعاد معین پر جب میعاد پوری ہو اور لیو کے پاس سامان ادا نہو تو وہ کچھ زائد رقم دینا منظور کر لیتا تھا اور بایع اُس کے عوض کچھ میعاد بڑھا دیتا تھا اب علامہ موصوف کا زعم ہی کہ سوائے بیع موجل کے اور کسی موجل معاملہ میں ربا حرام نہیں ہی پھر بیع موجل میں المضاعف سے کم ربا حرام نہیں ہی اور قرض پر سود کی حرمت قرآن سے تو ثابت نہیں ہی البتہ کچھ احادیث مردیہ قرض کے سود کو حرام کرتی ہیں مگر وہ ضعاف نا قابل احتجاج ہیں۔ مگر یہ خیالات فاسدہ قرآن پاک کے سراسر خلاف ہیں قرآن پاک سے جملہ موجلہ معاملات میں سود حرام ہی۔ اور ربا خواہ المضاعف ہو یا کم از مضاعف

محرم بالقرآن ہے اور سود قرض بھی قرآن سے حرام ہے اور احادیث نبویہ اس کی تائید کرتی ہیں منفعت ہوں یا احسان سب موید قرآن ہیں اور قرآن پاک اُن کا موید ہے سو بعد تائید قرآن اُن کو صحیح النقل الاسناد نہ سمجھنا سخت خطا ہے ہم ان تینوں دعاوی کو جُدا جُدا ثابت کرینگے۔

اوّل دعویٰ اس طرح ثابت ہے کہ جملہ اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا پر جس کی نظر ہو وہ فوراً سمجھ جاویگا کہ بیع اور ربا دو متضاد الماہیت معاملے ہیں ورنہ ہر دو کے احکام متضاد نہوتے اور ظاہر ہے کہ لوازم و ثمار کے تنافی سے ملزومات و موثرات کی تنافی پر استدلال صحیح ہے سو بیع کی حقیقت تو سب جانتے ہیں کہ معاوضۃ الاموال بالاموال ہے تو ربا کی حقیقت تو اس کے متضاد ہوگی وہ کیا ہے معاوضۃ الاموال بالآجال یعنی جتنی اجل بڑھتی جاوے ویسا ہی اُس کے عوض مال بڑھتا جاوے گویا ناداری کے عوض گرانباری بڑھتی رہے اب دیکھو دین موجل کچھ بیع کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ نکاح و اجارہ کفالت و مضاربت قرض و رہن میں بھی اجل مقرر طرفین کی رضامندی سے طے ہو جاتی ہے پھر جیسے بدل نقد مقرر سے زیادہ طلبی ظلم و عدوان ہے ایسے ہی بدل زیادہ طلبی و اجل ظلم ہے اگر کوئی مدیون بوجہ عدم استطاعت میعاد مقررہ پر نہیں دے سکتا ہے تو ہمدردی کا تقاضا ہے کہ اُس کو مہلت دیجائے یا معاف کی جائے نہ یہ کہ اُلٹا اُس کو زندہ درگور کیا جاوے سو یہ بات بیع قرض وغیرہ میں یکساں ہے کیا کسی کی عقل سلیم یہ تفرقہ کر سکتی ہے کہ بیع میں تو زر موجل پر زیادت ظلم ہو مگر قرض وغیرہ زر موجل پر زیادت ظلم نہ ہو ہر گز نہیں بلکہ جہاں جہاں اجل مقرر ہو سکتی ہے وہاں ہاں زیادت از حق مقرر ربا ہوگا جب حقیقت ربا یہ ہے کہ اجل کے عوض بیشی کیجائے تو ربا ہر حق موجل میں موجود ہو سکتا ہے اور جہاں تحقق ربا ہوگا وہ حرام ہوگا یہ ربا ربا نسیہ کہلاتا ہے اس کی مختصر حد عوض لاجل صرف بیع کے ساتھ مخصوص نہیں تو قرآنی ربا کیونکر بیع کے ساتھ مخصوص ہو سکتا ہے لا محالہ نتیجہ کلام یہ ہوا کہ ربا قرآنی یعنی ربا نسیہ قرض و نکاح وغیرہ میں یکساں پایا جاتا ہے اور جو قسم مصداق ربا ہو وہ قرآن سے بلا شک و شبہ حرام ہے سو قرض کا سود بھی قرآن

سے حرام ہی آیت حرم الربا سے اگر اُس کی حرمت میں تامل ہو تو سورہ روم کی آیت ذیل سود قرض کو عبارۃً و بعض کے طور پر محرم ہی وَمَا آتَيْتُم مِن رِبًا لِيَرْبُوَ فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوا عِنْدَ اللهِ وَمَا آتَيْتُم مِن زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ

ترجمہ۔ جو کچھ تم نے بیاج روپیہ دیا تاکہ لوگوں کے مال میں بڑھتا رہے وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑہیگا اور جو کچھ تم سے خیرات کی خدا کی خوشنودی چاہکر تو ایسے لوگ بڑہ بہتری والے ہیں۔ اس آیت میں ربا اور زکوٰۃ کا مقابلہ ایسا ہی ہی جیسا کہ سورہ بقرہ میں يَمْحَقُ اللهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ وارد ہی سو یہاں ربا کی تقریر ہدیہ کے ساتھ کرنا صحیح نہیں ہی، وقت نزول تحریم اگرچہ ربا بیوع موجلہ میں جاری تھا اور یہی بیع موجل کا ربا مورد نہی تھا مگر نص عام مورد خاص کیساتھ مخصوص نہیں ہوتی چنانچہ قریب ہی اُس کی کافی تحقیق گزر چکی ہی پہر اگر احادیث اسبارہ میں ضعیف ہوں تو کیا حرج ہی قرآن پاک تو صحیح و متواتر ہی بلکہ جب مضمون احادیث قرآن پاک سے ثابت ہی تو احادیث ضعاف حسن لغیرہ کہلاوینگی جن کا رد کرنا جملہ محدثین کے نزدیک گناہ عظیم ہی اور عقل سلیم بھی اسیکو مقتضی ہی کہ کسی شخص نا معتبر کی بات جب ذرایع آخری سے پایہ ثبوت کو پہنچ جاوے تو وہ بات قابل رد نہیں رہتی ہی تو جن احادیث ضعیفہ کی شہادت قرآن سے مل چکی ہو تو کس طرح مقبول نہونگے یہاں بھی علامہ مصری کی فن حدیث سے ناواقفی قابل افسوس ہی۔

دوم دعویٰ اگرچہ پہلے نہایت مدلل طور سے ثابت ہو چکا ہی مگر یہاں بھی کچھ ثبوتی افزایش مناسب معلوم ہوتی ہی۔ پہلے گذر چکا ہی کہ آیت لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً چھ سات برس پہلے نازل ہوئی اور آیت أَحَلَّ اللهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا بعد میں قریب الوفات نازل ہوئی۔ اور بزعم علامہ مصری وغیرہ مان لیا جاوے کہ پہلے آیت میں المضاعف ربا لینے کی حرمت ہی تو اس سے لازم آئیگا کہ آیت مذکور میں سودی معاملہ کی تو حرمت نہیں ہی بلکہ رقم المضاعف اصل پر لینے کی نہی ہی تو یہ آیۃ تو سودی معاملہ کی مجوز اور رقم سودی کی محرم ہوئی حالانکہ دوسری

آیت نفس معاملہ سود کی محرم ہے اور نیز پہلی آیت میں لفظ ربا بمعنی رقم سود ہے بقرینہ لَاتَاْكُلُوْا-
اور دوسری آیت میں لفظ ربا بمعنی معاملہ سود ہے بقرینہ حرّم تو دونوں آیتیں مضمون میں مختلف
ہوئیں کیونکہ پہلے آیت اصل معاملہ کی محرم نہوئی بلکہ رقم زائد کی محرم ہے اور دوسری آیت نفس
معاملہ کی محرم ہے نہ کہ کسی خاص قم کے پہر اس توجیہ پر نہ پہلے نص مقید ہوئی اور نہ دوم نص مطلق
کیونکہ مقید و مطلق میں محل تحریم کا شی واحد ہونا شرط ہے ہاں کسی وصف کا ہونا نہونا ملحوظ ہوتا ہے
مگر یہاں پہلے آیت میں محل تحریم رقم خاص ہے نہ کہ نفس معاملہ اور دوسری آیت میں محل تحریم
نفس معاملہ ہے نہ کہ خاص قم تو دونوں آیتوں میں منہی عنہ احد احد اجنبہ ہوئی تو ایک کو دوسری پر محمول
کرنا ناممکن ہوگیا بلکہ یوں کہا جاوے کہ اسلام نے اکثر مفاسد کو حکیمانہ تدریج کیساتھ قلع قمع
کیا ہے سو یہاں بھی ایک دم سے سودی معاملہ کو بند کرنا صواب دید نتھا اس لیے اولاً مقدار ربا
کو محدود کیا کہ یہاں تک لو اس سے زاید نہ لو مگر تجربہ کاران تجارت جانتے ہیں کہ مضاعف اصل
ربا لینے سے ربح تجارت زیادہ نفع بخش ہوتا ہے تو لا محالہ سمجھدار تجار اس وقت سے بجائے سود
کے تاجرانہ نفع پر مائل ہو گئے ہونگے ہاں کاہل طبیع اس کے داد وستد کو ہی نفع بخش
جانتے ہونگے لہذا پھر کچھ مدت بعد نفس معاملہ سود کو قطعاً حرام کر دیا جس پر سفہا مشرکین
نے اعتراض کیا کہ اللہ نے کیوں ربح بیع کو جائز رکھا اور نفع سود کو ناجائز کیا اس پر ان اخری
آیات میں ان کا جواب دیا گیا اور تفرقہ کی لم بتائی گئی کہ بیع متضمن ظلم نہیں ہے اور سود مشتمل ظلم
ہے لہذا اس وقت تک جو لے لیا سو لے لیا مگر آیندہ فلکم رؤس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون
تمہارے لیے قانون عام ہے جو اس کا خلاف کریگا تو اس کی سزا جیل خانہ ہے ومن عاد فاولئك
اصحاب النار هم فيها خالدون اس توجیہ پر آخری آیت پہلے آیت کی ناسخ ہوئی کیونکہ پہلی
آیت محرم معاملہ نہ تھی بلکہ مجوز معاملہ تھی ہاں قدر خاص کی محرم تھی اور دوسری آیت سرے سے
نفس معاملہ کی محرم ہے پھر کس کی عقل سلیم ہے کہ دو مختلف المضامین آیات کو مقید و مطلق قرار دیوے
اور پچھلی کو پہلی پر محمول کرے کہیں ناسخ بھی منسوخ کے ساتھ جمع ہوتا ہے ہنیں بلکہ منسوخ متروک العمل

ہوتی ہے اور ناسخ واجب العمل ہوتی ہے۔ الغرض علامہ مصری کا زعم اگر تسلیم بھی کیا جاوے تب بھی نص سابق متروک العمل ہوگی ورنہ دفعہ قانونی فکمر روس (اموال الکبیر) کا کوئی جواب صحیح تمام روشن خیال نہیں دے سکتے ہیں اور اگر پہلی آیت میں ذکر تضاعف بغرض اظہار شناعت ربا ہے نہ بغرض تقیید جیسا کہ ہم پہلے مشرح کر چکے ہیں تو اُس سے بھی مطلق ربا کی حرمت ثابت ہے چنانچہ تفسیر ابن جریر طبری میں ہے ص ۵۵ پارہ ۴۔ عن مجاهد فی قول الله عزوجل یا ایها الذین آمنوا لا تاکلوا الربوا اضعافا مضاعفة قال ربا الجاهلية مجاہد سے مروی ہے کہ انھوں نے اس آیۃ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اس سے مراد وہی جاہلیت کا ربا ہے جسمیں تضاعف ہوتا رہتا تھا بالجملہ قرن تابعین کے آثار مرویہ سے بھی ثابت ہے کہ اس آیت کا مصداق و آیت حرم الربوا کا مصداق وہی ربا جاہلیت ہے جسمیں آیندہ تضاعف ہوتا رہتا تھا چنانچہ گزشتہ اوراق میں تفسیر ابن جریر سے ایک اور اثر آیت حرم الربا کی تفسیر میں بھی ہم نقل کر چکے ہیں دونوں آثار کا ماحصل ایک ہی ہے سود دونو سے مطلق ربا کی مخالفت ثابت ہے اضعافا مضاعفہ حال تقدیری ہے حال تقییدی نہیں ہے جیسا کہ پہلے مدلل گزر چکا ہے مکرر ملاحظہ فرماویں۔

سوم۔ دعوی کہ حرمت سود قرض کی بھی قرآن سے ثابت ہے ایک تمہید پر موقوف ہے۔ معاملات کی چند اقسام ہیں۔ بیع وہبہ کی ماہیت تملیک مال ہے بعوض و بلا عوض کا فرق ضرور ہے۔ اور اجارہ و اعارہ کی ماہیت تملیک منفعت ہے بعوض اور بلا عوض کا فرق ہے۔ اور کفالت و رہن کی ماہیت اطمینان دائن ہے بقبض مال ہو یا بقول غیر ہو۔ اور ودیعت و امانت کی ماہیت حفظ مال غیر ہے عدم جواز تصرف یا جواز تصرف کا فرق ہے۔ اور صدقہ و قرض کی ماہیت تملیک نادار ہے۔ واپسی و عدم واپسی کا فرق ہے، البتہ صدقہ اور ربا باہم ضدین ہیں کیونکہ اوّل میں بظاہر اپنا نقصان اور دوسرے کا نفع ہے اور دوم میں اپنا نفع دوسرے کا نقصان ہے اوّل کا مبنی ایثار پر ہے اور دوسرے کا مبنی اضرار پر ہے اسی لیے صدقہ محبوب خدا ہوا اور ربا مبغوض خدا ہے ارشاد ہے یمحق الله الربا ویربی الصدقات ترجمہ۔ قیامت میں اللہ سود کو مٹائیگا اور خیرات کو بڑھائے گا۔ اس تمہید کے بعد

سنو قرض میں چند معاملات کی مشابہت ہے چونکہ اس میں اپنا کوئی نفع نہیں ہے نادار کی دستگیری
مقصود اصلی ہے تو مشابہ صدقہ ہوا اسیوجہ سے قرض میں ثواب صدقہ ملتا ہے بلکہ ثواب صدقہ
سے افضل کیونکہ قرض دار غیور لیتا ہے جو دست سوال پھیلانا معیوب جانتا ہے اور صدقہ غیور و
طماع دونوں لے سکتے ہیں۔ ابن ماجہ میں اردو روایت ہے رَأَيْتُ لَيْلَةَ اُسْرِيَ بِي عَلَى بَابِ الْجَنَّةِ
مَكْتُوبًا اَلصَّدَقَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا وَالْقَرْضُ بِثَمَانِيَةَ عَشَرَ فَقُلْتُ يَا جِبْرِيْلُ مَا بَالُ
الْقَرْضِ اَفْضَلُ مِنَ الصَّدَقَةِ فَقَالَ لِاَنَّ السَّائِلَ يَسْئَلُ
وَعِنْدَهُ وَالْمُسْتَقْرِضُ لَا يَسْتَقْرِضُ اِلَّا مِنْ حَاجَةٍ
ترجمہ۔ شب معراج میں نے درِ جنت پر لکھا ہوا دیکھا کہ ثواب صدقہ دس گونہ اور ثواب قرض
اٹھارہ گونہ ہے سو میں نے جبرئیلؑ سے کہا کیا وجہ ہے کہ قرض صدقہ سے افضل ہوا بولے اس لیے
کہ سائل مانگتا ہے کچھ پاس ہوتے بھی اور قرض خواہ بلا اجازت قرض نہیں لیتا ہے۔ اور قرض میں
چونکہ عین المال بلا صرف کئے بھی واپس کرسکتا ہے تو وہ مشابہ امانت ہے اسی واسطے قرآن پاک
میں دین کو امانت کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے ارشاد ہے فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ
الَّذِي اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهُ ترجمہ یعنی مدیون امین کو اپنا دین ادا کرنا چاہیئے۔ اور چونکہ قرض بغرض
انتفاع اور واپسی بدل قرض لیا جاتا ہے اور عرفاً وشرعاً رد مثل بحکم رد العین ہے چنانچہ رد المحتار شرح
دُرِّ مختار میں ہے۔ ثُمَّ لِلْمِثْلِ الْمَرْدُوْدِ حُكْمُ الْعَيْنِ وَاِلَّا كَانَ تَمْلِيْكَ
دَرَاهِمَ بِدَرَاهِمَ بِلَا قَبْضٍ ص ١٧٠ ج ٢ ترجمہ قرض میں مثل قرض واپس کرنا
بمنزلہ عین قرض کے واپس کرنیکے ہے ورنہ لازم آئیگا کہ دراہم کا مقابلہ دراہم کے مبادلہ ہوا
ہے بلا اس کے کہ مجلس عقد میں بدلین کا قبض ہوا ہو اور یہ بروئے حدیث جائز نہیں ہے۔ اس
لحاظ سے وہ مشابہ عاریت ہے کہ عاریت میں دوسرے کی چیز نفع اٹھا کر واپس کر دیجاتی ہے اتنا
فرق ہے کہ عاریت میں وہ چیز بعینہ واپس کیجاتی ہے اور قرض میں بمثلہ واپس ہوتی ہے مگر چونکہ زر و
روپیہ جاتے دائی میں برابر ہے اس لیے دوسرا روپیہ بھی عرفاً بحکم اصلی روپیے کے ہے اور عاریت

میں شئے مستعار بشیر مثلی نہیں ہوتی ہو اس لیے وہی شئی واپس کرنی ہوتی ہو الغرض ہر صحیح النظر لطیف الفہم جب قرض کو صدقہ و امانت و عاریت وغیرہ سے موازنہ کرتا ہو تو ماہیت قرض کو اُن کی ماہیات سے جدا ہی سمجھتا ہو مگر امور مذکورہ بالا میں مخارجہ اُن کا مشابہ بھی پاتا ہو لیکن قرض کو عاریت کے ساتھ مشابہت تامہ زیادہ حاصل ہو اور دیگر معاملات سے مشابہت ناقصہ ہو اسی لیے قرض بلا قبض بدل جائز ہوا کہ یہ درحقیقت مبادلت نہیں بلکہ نادار کی معاونت ہو اگرچہ حساً انجام کار مبادلت معلوم ہوتی ہو مگر شرعاً و عرفاً وہ مراجعت ہو مبادلت وہاں ہوتی ہو جہاں طرفین اپنی اپنی غرض کے طالب ہوں جیسا کہ درصورت بیع طرفین میں سے ہر ایک کو اپنی غرض کا حاصل کرنا مدنظر ہوتا ہو مگر قرض میں قرض دینے والے کی کوئی غرض بجز نفع رسانی غیر نہیں ہوتی ہو اس لیے اس میں دالمثل انجام کار رد العین ہی ہوگا اور اس کو مراجعت کہا جاویگا۔ اور اگر ان وجوہات سے قطع نظر کرکے صرف آخری رد مثل پر لحاظ کیا جاوے تو قرض انجام کار مشابہ بیع ہو کہ بیع میں تملیک بالبدل ہوتی سو یہ ہی بات قرض میں بھی مآل کار لازم آجاتی ہے مگر اتنا فرق ہو کہ بیع فی الحال اور فی المآل مبادلہ ہو اور قرض مآلاً مبادلہ ہو اور حالاً معاونت ہو۔ اور نیز بیع میں مشتری مبیع کو واپس نہیں کرسکتا ہو بلکہ زرثمن اُس کے ذمہ واجب الادا ہو اور قرض میں اصلی وہیہ جوں کا توں بھی واپس کرسکتا جیسا کہ اُس کا بدل ادا کرسکتا تھا لہذا قرض اثر بین المبادلہ والمراجعہ ہوا اور بیع من کل الوجوہ مبادلت ہی ہوئی اس سے لیے اُن کے احکام میں بھی باہم کچھ تفاوت عرفاً و شرعاً نمودار ہوا وہ یہ ہو کہ اگر سیم و زر کی باہم بیع ہو یا مثلاً غلات کی بدلے غلات کی بیع ہو تو مجلس عقد میں تقابض بدلین شرط ہو اس لیے کہ ایسی صورت میں دونوں طرف جیسے مبیع کہلاتے ہیں ثمن مبیع بھی سمجھے جاتے ہیں مگر بیع میں وجود مبیع شرط ہو جو نقلاً و عقلاً درست ہو تو بلا موجودگی بدلین بیع صحیح نہ ہوئی کیونکہ معدوم کی بیع نہ عقلاً نتیجہ خیز ہو اور نہ شرعاً درست ہو اس میں اگر ایک طرف ادھار ہو تو شئی موجود کی بیع شئی معدوم کے بدلے ہوگی اور ناجائز ہوگی۔ اور اگر سیم و زر یا غلات کا

قرض لیا ہو تو یک طرفہ قبض کافی ہے کیونکہ فی الحال اُس میں شان مبادلت نہیں ہے بلکہ ہمدردانہ معاونت ہے اگر اس میں بھی تقابض بدلین شرط ہوتا تو قرض کی حاجت ہی کیا ہوتی قرض کے مفہوم میں یک طرفہ فرضداری داخل ہے۔ لہٰذا اُس میں مستقرض کا قبض اور مقرض کا عدم القبض ضروری ہوا۔ اور نیز دوسرا فرق احکام یہ ہے کہ قرض چونکہ انجام کار مراجعت کو خواہاں ہے اس لیے روپیہ پیسہ یا وزنی کیلی اشیاء کا قرض تو درست ہے مگر غیر مثلی چیزوں کا جنکو ذوات القیم بھی کہتی ہیں قرض درست نہیں ہے کیونکہ قسم اوّل کی واپسی تو مراجعت کہلائی جاسکتی ہے مگر قسم دوم میں مراجعت ممکن نہیں ہے برخلاف بیع کے کہ وہ مثلی و غیر مثلی میں جاری ہوسکتی ہے کیونکہ اُسمیں مراجعت نہیں ہوتی بلکہ مبادلت ہوتی ہے اور مبادلت بجنس یا خلاف جنس دونوں میں ممکن ہے بالجملہ یہ تفاوت احکام بوجہ تفاوت ماہیت مرتب ہوا مگر بیع و قرض اتنی بات میں مماثل ہیں کہ دونوں میں ادائے بدل ضروری ہوتا ہے تو جیسے طے شدہ ثمن سے زائد طلب کرنا مشتری سے عقلاً و شرعاً از قسم ظلم ہے اور ایسے ظلم ہی کا نام ربا ہے جس کو شرع نے حرام کیا ہے اور عقل سلیم بھی اُس کی حرمت کی شہادت دیتی ہے ایسے ہی قرض میں مثل قرض سے زائد طلب کرنا مدیون سے از قسم ظلم ہوا اور ربا کا فرد من الافراد ہوا کیونکہ زائد از حق واجب مانگنے کا نام ہی ربا ہے جیسا کہ پہلے مبرہن ہوچکا ہے لامحالہ سود قرض بھی حرّم الرّبٰوا کے تحت میں ایسا ہی داخل ہے جیسا کہ سود بیع داخل تھا۔ اب ہم نے مانا کہ وقت نزول قرآن صرف بیع موجل میں سود رائج تھا۔ مگر حرّم الرّبٰوا نص عام ہے تو وہ بقاعدہ اصول فقہ مورد خاص کے ساتھ مخصوص نہوگی بلکہ اپنے تمام افراد کو حاوی ہوگی اگر کسی وقت دین مہر یا زر کرایہ وغیرہ میں سود جاری ہوجاوے تو وہ بھی بلا شک و شبہ اسی آیتہ سے حرام ہوگا اگرچہ وقت نزول اُس کا رواج نہ تھا الغرض علامہ مصری کا آیتہ پاک کو خاص مورد کے ساتھ مخصوص سمجھنا نہ عقلاً ٹھیک ہے نہ نقلاً درست ہے درحقیقت علامہ موصوف کو تدبر فی القرآن ذرا حاصل نہیں ہے اور ایسے جال سے اُس کو استناد ہے مسلمانوں کو لازم ہے کہ قرآن پاک میں غور کرکے اُس کو دستور العمل بنادیں اور ہوا پرست لیفارمروں پر نفرین کریں

کہ ہوائے نفس کی پیروی گمراہ بنانیوالی ہے حضرت داؤد علیہ السلام کو تعلیم خداوندی ہے کہ یاداؤد

انا جعلناک خلیفۃ فی الارض فاحکم بین الناس بالحق

ولا تتبع الھویٰ فیضلک عن سبیل اللہ ان الذین یضلون عن سبیل اللہ

لھم عذاب شدید بما نسوا یوم الحساب ترجمہ اے داؤد ہم نے تمکو زمین پر اپنا نائب

سلطنت بنایا ہے سو لوگوں میں حکومت کرو قانون حق کے ساتھ اور خواہش نفس کے پیچھے نہ پڑو

مبادا کہ وہ تم کو خدائی قانون سے ہٹا دے جو لوگ خدائی قانون سے ہٹتے ہیں اُن کے لیے

سخت عذاب تیار ہے اس وجہ سے کہ وہ محاسبہ کے دن کو بھول چکے تھے۔

مسلمانوں اس آیت کو خوب غور سے سمجھو اور سوچو کہ جب ہوائے نفس داؤد علیہ السلام

جیسے اولو العزم انبیاء کو بے راہ کر دینے والی ہے تو ہم تم کس شمار میں ہیں۔ دنیا کے کاموں میں

جدت پسندی ضرور عمدہ چیز ہے کہ نئے نئے معلومات اور تجارب بڑھ رہے ہیں اور ارضیات

و فلکیات کے تازہ مشاہدات فراہم ہو رہے ہیں مگر دین کے اسرار و حکم میں قدامت پسندی

ہی فلاح و نجاح ہے کیونکہ مشعل نبوت کی روشنی روز بروز ماندہ ہو رہی ہے اور غفلت کی تاریکی روز بروز

شدید ہو رہی ہے صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین یقیناً ہم سے زیادہ نور نبوت سے مقتبس تھے ہم کو

بجز اس کے کہ اُن کا دامن پکڑ لیں کوئی چارہ نجات نہیں۔ ؎

پائے ما لنگ است و منزل بس دراز

دست ما کوتاہ و خرما بر نخیل

الحاصل اس طولانی تقریر کا لب لباب یہ ہے کہ لفظ ربانیہ ایک مفہوم کلی ہے اُس کے افراد بے شمار ہیں

اُس کی کوئی فرد اگر عہد نبوت میں بالفرض موجود نہ تھی تو اس مفہوم کلی کے حکم سے باہر نہیں ہو سکتی ہے

کیونکہ قرآن کلام الٰہی ہے تبیانا لکل شیء اُس کی شان ہے اُس کے نصوص عامہ کی

جسقدر افراد ممکن التصور ہوں سب کے لیے وہ نصوص عامہ دستور العمل ہیں عہد نبوت کی افراد موجودہ

پر اُن کو منحصر سمجھنا سخت فروگذاشت ہے۔ ربانیہ کا یہ مفہوم ہے کہ طے شدہ حق موجل پر مبنی

کرنا سو یہ مفہوم بیع و قرض نکاح و اجارہ وغیرہ میں پایا جا سکتا ہے سو جہاں جہاں یہ مفہوم محقق ہوگا وہ ربا ہوگا اور ربا کے جملہ افراد اسی نص احد وَحَرَّمَ الرِّبٰوا سے حرام ہونگے - واللہ اعلم وحکمہ احکم

(ربا الفضل کی ماہیت اور وجہ حرمت)

زمانہ جاہلیت تمدنی برکات سے نا آشنا تھا جو بات تھی جور و تعدی کا پہلو لیے ہوئی تھی۔ نظام معاملات کا کوئی معیار صحیح نہ تھا بیع کی نامعقول اقسام ایسی مروج تھی جس پر ادنیٰ عقل بھی نا سفانہ تعجب کیے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ بیع الحصاة - بیع الملامسة - بیع المنابذة - بیع المضامین - بیع الملاقیح بیع الحبلہ - بیع المعدوم - بیع الغرر - وغیرہ وغیرہ جاری تھیں جنمیں دھوکا اضرار موجود تھا اُن کے اشکال علی الترتیب یوں تھے - اوّل متعاقدین میں کر کے چند اشیاء کو بچھانا اور کنکری پھینکنا جس پر وہ گرے اُس کا مبیع ہو جانا - بائع کی اشیاء میں سے جس کسی کا ہاتھ چھو جاوے اُس کا فروخت ہو جانا - طرفین میں سے ہر ایک کا کوئی چیز دوسرے کی طرف پھینکدینا اور مبادلہ ہو جانا - نجیب جانوروں میں سے نر کا نطفہ جو ابھی اس کی پشت میں ہی ابھی سے فروخت کرنا - جو بچہ شکم مادہ میں ہے اُس کو ابھی سے فروخت کرنا - غیر موجود چیز کو بیع کرنا کسی اور دھوکے کے ساتھ چیز کا فروخت کرنا - حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام بیوع کو حرام قرار دیکر کُونُوا قَوَّامِیْنَ بِالْقِسْطِ کا سبق پڑھایا یعنی عدل پر قائم رہو - علیٰ ہذا اسلام نے جب بیع کو حلال اور ربا کو حرام فرمایا تو بعض مسلمان سادہ لوح شاید یہ سمجھے کہ جواز بیع میں کوئی تفصیل نہیں ہے تو ہمجنس و غیر جنس غلات وغیرہ کے بیع متساوی و متفاضل معجل و مؤجل سب طرح جائز ہے حالانکہ اس میں بعض شکل بمقتضائے عقل سلیم ناجائز بھی تھی اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند اصلاحات فرمائیں - اوّل یہ کہ ہمجنس بدلین کی بیع بہ تفاضل نہوا کرے مگر مختلف الجنس بدلین کی بیع بتفاضل جائز ہے - دوم یہ کہ ان ہر دو اقسام میں کسی جانب ادھار

نہ ہوا کرے دست بدست معاملہ ہوا کرے۔ سوم یہ کہ اُدھار صرف مسکوکات رائجہ کا درست ہی اور کسی کا اُدھار جائز نہیں ہی۔ چنانچہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہی کہ آپ نے چھ چیزوں کا نام لیکر یہ تفصیل مذکور ارشاد فرمائی ہی۔ چنانچہ مسلم شریف میں ہی عن عبادة بن الصامت قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الذھب بالذھب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح مثلاً بمثل سواءً بسواءٍ یداً بید فاذا اختلفت ھذہ الاصناف فبیعوا کیف شئتم اذا کان یداً بید

ترجمہ۔ سونا بدلے سونے کے اور چاندی بدلے چاندی کے اور گیہوں بدلے گیہوں کے اور جو بدلے جو کے اور کھجور بدلے کھجور کے اور نمک بدلے نمک کے برابر برابر ہاتھ بہ ہاتھ بیچا کرو اور اگر یہ اقسام مختلف النوع ہوں تو جس طرح چاہو بیچو بشرطیکہ ہاتھ بہ ہاتھ بیع ہو۔ بعض روشن خیال علوم دنیویہ سے بیخبر اس قسم احادیث کے تسلیم کرنے میں متامل ہیں اور کہتے ہیں کہ مولوی لوگ یہ احادیث گھڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے ہیں ورنہ پیغمبر علیہ السلام کی لائف دیکھنے سے معلوم ہوا ہی کہ وہ نہایت دانا روشن دماغ ریفامر تھے وہ ہرگز ایسے نامعقول قوانین وضع نہیں فرماسکتے تھے کونسا دانشمند ہی کہ عمدہ گیہوں اور خراب گیہوں کو برابر بکوائے اور من بھر گیہوں کی بیع من بھر کے بدلے اُدھار ناجائز سمجھے مگر قرض بالتساوی کو جائز جانے اور بیع گندم کی نخود کے بدلے اُدھار بھی ناجائز ٹھہرائے۔ مسلمانوں اگر کسی حکم کی لم سمجھ میں نہیں آئی تو واقفین اسرار شریعت سے سمجھنے کی کوشش کرو محض اپنی ناقص فہم پر نازاں ہو کر احکام شرعیہ کی تکذیب ناقابل معافی جرم ہی حق تعالی نے ایسے لوگوں کے بارہ میں ارشاد فرمایا ہی بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہ ولما یاتھم تاویلہ کذلک کذب الذین من قبلھم فانظر کیف کان عاقبة الظالمین

ترجمہ۔ بلکہ انہوں نے جھٹلادیا ایسی بات کو جس کو خوب نہیں سمجھ سکے اور اس کا بھید

ابھی تک اُس پر نہیں کھلا تھا اور ایسے ہی پہلوں نے بھی تکذیب کی تھی سو دھیان کرو کہ اُن
ہٹ دھرموں کا کیا انجام ہوا۔ اب ہم پر ضرور ہوا کہ اُن قوانین تحریمی کا بھید اپنے حوصلہ کے
موافق حوالہ قلم کریں یہاں چار ابحاث قابل غور ہیں شریعت اسلامی نے ہمجنس اشیاء کے
مبادلہ میں تفاضل کیوں حرام کیا۔ مختلف الجنس اشیاء میں تفاضل کیوں جائز رکھا۔ ان
ہر دو قسم میں اُدھار کیوں ناجائز ہوا۔ روپے پیسے اشرفی رائج الوقت سکوں کا اُدھار کیوں
جائز ہوا۔ سو ہم پہلے ہمجنس کے تفاضل کو لیتے ہیں :-

ہمجنس اشیاء میں تفاضل کیوں حرام ہے

یہ بات بدیہات اولیہ سے ہے کہ ہر جنس کے افراد شخصیہ اگرچہ حقیقت جنسیہ میں مساوی ہوتے
ہیں مگر کچھ نہ کچھ امور عرضیہ میں متفاوت بھی ہوتے ہیں مثلاً افراد انسانی انسانیت میں سب
برابر ہیں مگر ظاہری رنگ و روپ و باطنی خو بو ئے میں متفاوت بھی ہیں ایک فرد کا
دوسری فرد سے بہمہ اوصاف مماثل ہونا تقریباً محال ہے یہی حال ہے اُن اشیاء ستہ کا جنکا
ذکر حدیث بالا میں ہے ہر ان اشیاء سے انتفاع بلا اُن کے اتلاف کے ناممکن ہے کیونکہ کھانا پینا
اتلاف نہیں ہے تو کیا ہے چاندی سونے سے انتفاع اگرچہ بلا اتلاف بھی ممکن ہے کہ زیور بنا کر یا برتن
بوتنہ بنا کر استعمال کریں مگر یہ اُس کی اصلی اغراض میں شامل نہیں ہے اُن کی خلقت کے اغراض
عامہ یہی ہے کہ وہ ذریعہ حاجت برآری بنا کریں اور جملہ اشیاء کی قیمت و مالیت کا پیمانہ ہوا
کریں یوں تو ہم مثل قیمتی جلد یا نوٹ وغیرہ جلا کر چاء پکا سکتے ہیں مگر یہ جلانا اُس کی اغراض
اصلی نہیں ہے ایسے ہی سونے چاندی سے زیور وغیرہ بنانا غرض اصلی نہیں لامحالہ روپے
پیسے بھی بلا ہاتھ سے پھینکے کارآمد نہیں ہے سو یہ ہی اُس کا اتلاف ہے سو ان اشیاء کا باہم
مبادلہ بغرض اتلاف ہے یعنی بائع مشتری کی چیز اپنے صرف میں لائیگا اور مشتری بائع کی چیز
صرف کریگا مگر ہمجنس مثلی کے اتلافی مبادلہ میں اسلام اصول مساوات کا حامی ہے یعنی ایک

نوع کی ہر فرد کو عند المقابلہ دوسری فرد کے مماثل ٹھیراتا ہے اس لیے افراد انسانی کے اتلاف میں النفس بالنفس اس کا قانون عام ہے ایک شخص عالی نسب مجموعہ صفات حمیدہ دوسرے شخص سافل النسب مخزن صفات ذمیمہ کے بدلے قصاصاً تلف کر دیا جاتا ہے اور یہ وہ زریں اصول مساوات ہے جس کو تمام روشن خیال عقلا حکما نے اسلام کی فوقیت کا اعلیٰ سبب قرار دیا ہے اور جب یہ اصول مساوات اشرف المخلوقات نوع میں دانشمندانہ قانون ہے تو جمادات نباتات میں کیوں دانشمندانہ نہوگا باقی یہ شبہ کہ افراد حیوانی میں یہ فردی مساوات شارع علیہ السلام نے کیوں ملحوظ نہیں کی ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ اُن کے منافع بید متفاوت ہیں اسی لیے وہ از قسم ذوات القیم ہیں ذوات الامثال سے نہیں ہیں اسی لیے کسی ملک میں بھی وہ کیلاً و وزناً و عدداً مساوی نہیں سمجھے جاتے ہیں اور قاعدہ مذکورہ ہمجنس مثلی میں ملحوظ ہو سکتا ہے سو حیوانات ہمجنس تو ہیں مگر مثلی نہیں ہے۔

اب میں روشن خیال پارٹی سے پوچھتا ہوں کہ افراد انسانی میں تفاوت صفات غلات سیم و زر کے تفاوت سے بہت کچھ زیادہ ہے تو یہاں تو اس کو یک قلم نظر انداز کر دینا محمود ہوا اگر غلات وغیرہ میں اس کا لحاظ نہ کرنا مذموم ہو وجہ تفرقہ کیا ہے کچھ تو سوچکر بتادیں۔

الغرض اسلام نے اصول مساوات کو انسانوں سے وسیع کر کے تمام کیلی و وزنی اشیاء میں بھی جاری کر دیا پھر جیسے انسانوں میں عدد ہی معیار تساوی ہے ایسے ہی مکیلات و موزونات میں صرف کیل و وزن ہی معیار تساوی ہوگا اور دونوں جگہ عند المقابلہ اوصاف کی کوئی قیمت نہوگی۔ لہذا غلات میں کتنا ہی تخلل یعنی کرائین اور پھلپلاپن یا سواد و بیاض یا جودت و رداءت کا کچھ لحاظ نہیں ہوا جیسا کہ انسانوں میں فضل و کمال لحاظ نہیں ہوا ہمجنس اشیاء میں تفاضل کی حرمت سے مقصود شارع علیہ السلام یہ ہے کہ اُن کا باہمی مبادلہ نہوا کرے کہ چنداں نتیجہ خیز نہیں ہے بلکہ تجارت صحیحہ کا مقتضا یہ ہے کہ مختلف المنافع متباین الاغراض اشیاء کا باہمی مبادلہ ہوا کرے تاکہ تمدنی مصالح امن دولت پر مرتب ہوا کریں۔ ہاں اگر

کسی خاص ضرورت سے ہمجنس اشیاء کا مبادلہ ہو طرفین کو مد نظر ہو تو اصول مساوات کا ملحاظ رکھ
کیل وزن تفاوت نہونے پاوے۔ ہاں اگر خلاف جنس کا مبادلہ ہو تو اغراض بدلین پر نظر کرکے
جتنی چاہو قیمت گھٹا بڑھا سکتے ہیں، مثلاً گندم بنرخ بازاری ایک روپیہ کے ہوں اُس کے
بدلے اگر ہم نخود اسقدر لیں کہ بنرخ بازاری دو روپیہ کے ہوں تو عقلاً و شرعاً جائز ہے کہ یہاں
اغراض طرفین کے مختلف ہیں اپنی چیز سے وہ نفع مرتب نہیں ہو سکتا ہے جو ہم کو دوسرے
کی چیز سے مطلوب ہے لہذا اپنی مطلوب چیز جتنے میں بھی ملے ہم خریدیں گے عقل و شرع کی بات
ہے۔ الغرض متجانس اشیاء میں تفاضل بقانون مساوات حرام ہوا اگر اس وجہ سے تسلی نہیں
ہے تو دوسری وجہ سنیئے۔ جو چیز یکساں منافع رکھتی ہو وہ ہر جگہ یا عدداً ملتی ہے یا وزناً یا کیلاً اور
جو چیز منافع متفاوتہ رکھتی ہو وہ ان تینوں طور سے فروخت نہیں ہوتی ہے بلکہ وہ جدا جدا قیمت
سے فروخت ہوتی ہے۔ پہلی قسم اشیاء کو ذوات الامثال کہتے ہیں اور دوسری قسم کو ذوات القیم
بولتے ہیں پہلی کی مثال اخروٹ و بیضہ شکر و گھی اور چونا و کنکریٹ اول و عددی ہیں اور دوم
دو وزنی ہیں اور سوم دو کیلی ہیں پھر ان میں اگر کچھ تفاوت افراد ہوتا ہے تو وہ عرفاً کالعدم ہے
جب ان کی مساوات عرفاً ان تین طرح سے مقرر ہو چکی تو اُس پر زیادتی ایک طرف میں زیادہ
ایسا ہی ظلم ہوگا جیسے روپے کے بدلے سوا روپے لینے میں ظلم ہے لامحالہ شریعت نے ظلم
فی المال اور ظلم فی الحال کو حرام کیا کہ ظلم کسی شکل اور کسی مادہ میں لائق اجازت نہیں ہے اگر
کوئی قسم گندم بہت عمدہ ہوں اور اُس کے مقابل خراب گندم ہوں تو قانون حرمت کو توڑنا
نہیں چاہئے بلکہ ہر ایک کو روپیہ کے بدلے خرید و فروخت کر لیں اور ثمن واجب کو بلا ادا
باہم مجرا کر لیں مثلاً بارہ سیر گندم عمدہ ایک روپیہ میں دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیں اور دوسرا
شخص خراب گندم سولہ سیر .... پہلے شخص کے ہاتھ ایک روپیہ میں فروخت کر دے اور روپیہ کو
روپیہ میں مجرا کر لیں۔ علاوہ بریں متجانس بدلین کے مبادلت کمیاب ہے اُس میں حرمت

تفاضل سے عامۂ خلائق کو کوئی تکلیف نہیں ہے بلکہ عیار بنیوں کے ہاتھ سے سادہ لوحوں کی نجات ہے ورنہ وہ ظاہری آب و تاب دکھا کر دوسروں کے غلہ کو ناکارہ ٹھیرا کر اپنا اُلو سیدھا کیا کرتے لہٰذا سداً للباب تفاضل یک قلم حرام کر دیا گیا۔ اب دوسری بحث سنیے۔!

مختلف الجنس اشیا میں تفاضل کیوں جائز ہوا

اشیاء کی قیمت و مالیت ایک حالت پر قائم نہیں رہ سکتی ہے بہ تبدیل امکنہ و اختلاف وقت کم بیش ہوتی رہتی ہے جس چیز کی قلت ہو اور رغبات اُس کی طرف زیادہ ہو تو گران ہوجاتی ہے اور برعکس حالت میں ارزاں ہو جاتی ہے سو درحقیقت قیمت کا تعین طالب کی حاجت کے اندازہ کے موافق ہوتا ہے سو اگر کسی کو مثلاً گندم کی حاجت سخت لاحق ہے اور مثلاً نخود اُس کے پاس بہت کچھ ہے تو وہ بقدر حاجت اندازہ کر سکتا ہے کہ اتنے نخود دیکر میں گندم مطلوب لے سکتا ہوں علیٰ ہذا گندم والا اندازہ کرے گا کہ اسقدر گندم بمقابلہ اسقدر نخود کے دے سکتا ہوں پھر بتراضی طرفین مبادلہ ہوجاوے تو اُس میں کوئی شان ظلم ہے اور نہ اصول مساوات کے چلنے کا موقع ہے کہ وہ اتحاد جنسی پر موقوف ہے لہٰذا یہ مبادلہ عقلاً و شرعاً جائز رہا۔

علیٰ ہذا کسی کے پاس روپیہ وافر ہے اور ایک پیالہ پانی کی اُس کو حاجت ہے تو جسقدر قیمت میں بھی اُس کو وہ ملسکے وہ لیگا اور حاجت موجودہ کو وہ دفع کریگا ایسی صورت میں ظلم و جبر ہے اور نہ بجز رغبت موجودہ کے کوئی معیار مساوات ہے اور نہ طرفین میں سے کوئی نادار ہے تو یہاں تفاضل اگرچہ بلحاظ نرخ بازار محسوس ہوتا ہے مگر بلحاظ حاجات طرفین تفاضل نہیں ہے بلکہ تساوی مالیت ہے لہٰذا یہ گرانی تمدنی لحاظ سے ناجائز نہوئی تجارت کا بمقابلہ ایسی گرانی کے ناممکن ہے۔

اب تیسری بحث کو لیجئے!

اِن ہر دو اقسام میں یکطرفہ اُدھار کیوں حرام ہوا

چونکہ مجملہ اشیاء فروختنی حتی کہ سونا چاندی بھی ماسوا مسکوکات رائج الوقت کے ایسے ہیں کہ اُن کی قیمت و مالیت بوجہ تبدل نرخ یکساں قایم نہیں رہ سکتی ہی اور جواز بیع میں عقلاً و شرعاً یہ شرط ہی کہ بدلین معلوم الماہیت اور متعین المالیت ہوں سو جس بیع میں ثمن موجل روپیہ پیسہ اشرفی ہو تو اس میں یہ بات رہ سکتی ہی کہ وقت عقد زرثمن جسقدر مالیت رکھتا تھا وقت الادا بھی اُس کی وہی مالیت قایم ہی کیونکہ مسکوکات کی قیمت مالیت بمرور ایام تا قیام سلطنت کے نہیں بدلتی ہی تو اس صورت میں کہہ سکتے ہیں کہ جو ثمن وقت عقد ٹھیرا تھا وہی ادا ہو رہا ہی نہ اُس عدد میں فرق آیا اور نہ اُس کی مالیت میں تفاوت آیا۔ لہذا اسکوں کا اُدہار تو جائز رہا برخلاف اُس بیع کے جس میں زرثمن اور اشیا ہیں عام ہی کہ مبیع کی ہمجنس ہو یا خلاف جنس اُس میں ممکن غالب ہی کہ وقت اجل اُن کی وہ قیمت نہ رہی جو وقت عقد تھی سو اگر کم ہوگئی تو بایع کا نقصان ہی اور زائد ہوئی تو مشتری کا نقصان ہی اگرچہ قدر وزن و کیل میں فرق نہیں آیا مگر مالیت تو بدل سکتی ہی۔ علاوہ بریں اس صورت میں اگر شریعت اُدہار کو جائز کرتی تو کیسے کرتی کیونکہ ایک جانب مبیع تو موجود تھے دوسری جانب مبیع معدوم تھے حالانکہ تحقیق بیع میں وجود مبیع شرط ہی چنانچہ پہلے مدلل گزر چکا ہی تو اس کا عدم جواز دو علت سے ہی ایک عدم مبیع دوسرا تبدل مالیت کا خطرہ۔ لہذا شریعت نے مصالح عامہ کا لحاظ کرکے اُس کے اُدھار کی قطعی بندش کردی ہی تاکہ طرفین کو خطرۂ نقصان سے نجات رہے یہ شریعت کی عاقلانہ عاقبت اندیشی ہی کہ امکانی ظلم و جور کی بھی بندش کردی ہی اور کیونکر نہ کرتے آپ کو تعلیم خداوندی تھی۔ وان حکمت فاحکم بینهم بالقسط ان الله یحب المقسطین

ترجمہ۔ اگر کوئی حکم دینا چاہو تو اُن میں حکم انصاف کا دیجو کہ اللہ پاک انصاف والوں کو محبوب

رکھتا ہے۔

سو اگر ہمجنس کا اُدھار بالتساوی ہے تو اُس میں بظاہر کوئی جور نہیں ہے مگر نظر بر تبدیل نرخ اُس میں امکانی جور ہے اور اگر بالتفاضل اُدھار ہے تو وقت عقد بھی جور وفضل ہے جو قانون مساوات کے خلاف ہے اور وقت ادا بھی فضل امکانی کا خطرہ ہے غرض اسمیں ظلم حتمی فی الحال اور ظلم احتمالی فی المآل ہے اور خلاف جنس کی اُدھار میں خطرہ ہے کہ جس مالیت کا سمجھکر ثمن مقرر کیا گیا تھا وقت ادا وہ ثمنا نہ رہے اس لیے یہ شکل بجور امکانی حرام ہوئی۔

باقی یہاں اس تقریر پر ایک سخت جلجلی شبہ لاحق ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ قرض میں یہ امکانی خطرہ ہے کہ من بھر گندم قرض دیے گئے اور بعد مدت اُس کی ادائیگی من بھر سے ہوگی تو ممکن ہے کہ وقت ادا اُس کا نرخ بدلجائے تو چاہیے کہ قرض بھی سوائے روپیہ وغیرہ سکہ جات کے کسی چیز کا درست نہو حالانکہ شرع میں یہ صرف جائز ہی نہیں بلکہ مستحب ومندوب بھی ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ مبیع کا مبنیٰ مماکست پر ہے یعنی بیع میں عاقدین میں سے ہر ایک خود غرضی کے ساتھ اپنی اپنی جز رسی کا خواہاں ہوتا ہے اور قرض کا مبنیٰ معاونت پر ہے یعنی قرض دینے والا اپنی منفعت کا طالب نہیں ہوتا ہے بلکہ ہمدردانہ دست گیری اُس کو مدنظر ہوتی قرض دینا ہی اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالنا ہے کہ وصول ہوگا یا نہیں سو قرض کا مبنیٰ اپنے اضرار اور دوسرے کے ساتھ ایثار پر ہے لہذا قرض عقد مبادلت نہوا بلکہ وعدم مراجعت ہوا اگر بقصد مراجعت نہ دیتا تو یہ صدقہ ہوتا جب کہ مراجعت بھی مقصود ہے تو یہ عقد عاریت ہوا اور ظاہر ہے کہ صدقہ دینے میں اپنا حتمی نقصان ہمدردانہ جب کہ شرعاً وعقلاً محمود ہے تو احتمالی نقصان قرض میں بھی محبوب ہوگا لامحالہ اس صورت میں قرض جائز رہا اور بیع جائز نہ ہوئی کہ اُس میں اضرار کا احتمال ہے جو منشاء عاقدین کے خلاف ہے اور قرض میں یہ احتمالی نقصان خود قرض دہندہ کو گوارا ہے اس لیے اس کو شرع نے حرام نہیں کیا بلکہ مستحب کیا ہے۔ ارشاد ہے۔

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ

فاولئك هُمُ المفلحون ترجمہ۔ اور وہ اوروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ اُن کو کیسی ہی شدید حاجت ہو اور جو خود غرضانہ جزارسی سے بچائے گئے وہ ہی فلاح والے ہیں بالغرض بوجوہات مذکورہ خوردنی و پوشیدنی اشیاء کا اُدھار نادرست رہا اور اُن کا قرض دینا جائز رہا علاوہ بریں ایک دوسری وجہ بھی ہمجنس اشیاء کی بیع میں اُدھار کے عدم جواز کی موجود ہے وہ یہ کہ احتمال ہے کہ وقت ادا عاقدین میں نزاع برپا ہو کہ یہ غلہ وغیرہ ناقص ہے مبیع کے مماثل ادا کرو اور مشتری اُس کے مماثل اور موجود ہونیکا مدعی ہو برخلاف روپے کے اُدھار کی اس میں احتمال نزاع نہیں ہے کہ کالا روپیہ یا سفید سب برابر ہے اگر پرکھنے میں اچھا ہو اور تیسری وجہ حرمت یہ ہے کہ ان اشیاء کے اُدھار میں ایک طرف تو مبیع موجود ہے اور دوسری طرف معدوم ہے حالانکہ عقل و شرع کا تقاضا ہے کہ معدوم چیز کی بیع نہ کیجائے لہٰذا یہ صورت حرام ہوئی برخلاف اس کے کہ ایک طرف روپیہ اُدھار ہو۔ اوّل تو وہ مبیع نہیں ہے ثمن ہے۔ دوسرے وہ قائم المالیت ہے اُس میں فرق نہیں آسکتا ہے لہٰذا اس کا اُدھار عقلاً و شرعاً جائز ہوا۔ اس وجہ ثالث پر یہ شبہ پڑتا ہے کہ بیع السلم میں بھی مبیع معدوم ہوتی ہے وہ کیوں جائز ہوئی اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں رب السلم آسودہ اور مسلم الیہ مفلس ہوتا ہے اس کا جواز بھی بربنائے دستگیری نادار ہے جیسا کہ جواز قرض کی وجہ بھی یہی معاونت نادار ہے پھر شرائط سلم ایسی ہیں جس سے احتمال نزاع باقی نہیں رہتا ہے اور نیز مبیع قبل القبض مملوک رب السلم نہیں ہوتی ہے مسلم فیہ اگر مہیا نہیں ہوسکے تو اصل روپیہ واپس ہوتا ہے یہ گویا درحقیقت وعدہ بیع ہے بیع تام بعد القبض ہوگی اس میں نادار کو دو سہولتیں ہیں اوّل روپیہ کا ملجانا دوم مبیع مہیا نہوسکے تو روپیہ کا واپس کردینا سو اس میں روپے والے کی طرف سے کوئی اضرار نادار نہیں ہے روپے کے ملجانے سے نادار شخص غلہ کی کاشت وغیرہ کرکے خود بھی نفع اٹھاتا ہے اور رب السلم کو بھی نفع پہونچاتا ہے سو یہ بھی مثل قرض ابتداءً معاونت ہے اور انتہاءً دائر بین المرحمت و المبادلت ہے سودی شان اس میں ذرا نہیں ہے بلکہ

شان قرض وصدقہ اس میں زیادہ ہی اس لیے یہ بیع عقلاً وشرعاً جائز رہی اب بحث رابع کو لیجیے!

روپیہ پیسہ اشرفی کا اُدھار کیوں جائز ہوا

ان کی قیمت ومالیت میں وقت عقد سے لیکر وقت اجل تک فرق آنے کا خطرہ نہیں ہی جیسا کہ دیگر اشیار میں وہ خطرہ تھا اور نہ وقت ادا احتمال نزاع ہی جیسا کہ دیگر اشیار کے اُدھار میں تھا لہذا یہ عقلاً وشرعاً جائز رہا بلکہ اُدھار بیچنے میں ناداروں کے ساتھ ایک قسم کی ہمدردی ہی اسی وجہ سے بڑے حدیث بیع موجل من جانب اللہ برکات کثیرہ کی جانب ہی لہذا ثمن کا معدوم ہونا مانع جواز نہوا جیسا کہ بیع کا معدوم ہونا مانع جواز تھا فقہی لم اس تفرقہ کی یہ ہی کہ مبیع از قسم مفہوم جزئی ہی جس سے انتفاع بلا وجود خارجی ممکن نہیں ہی اس لیے مبیع کو بلفظ عین تعبیر کرتے ہیں جو بہ معنی موجود خارجی ہی اور قیمت از مفہوم کلی ہی جس کا تحقق ہزاروں افراد کے ضمن میں ہو سکتا ہی اُس کا ذکر اس غرض سے ہوتا ہے کہ بدل المبیع کی مالیت کا پیمانہ سمجھ میں آجاوے اور ظاہر کہ پیمانہ کی خصوصیت مصداقی قابل لحاظ نہیں ہی اور جزئی وجود خارجی ہیں متباین ہوتی ہیں سو تا وقتیکہ جزئی خارجی کو معین کرکے نہ دکھایا جاوے خریدار کی اطمینان نہیں ہو سکتی ہی لہذا جواز بیع میں اُس کا وقت العقد موجود ہونا شرط ہوا اور قیمت کے پیمانہ سے اطمینان بائع ہو سکتا ہی لہذا اُس کا موجود وقت العقد ہونا شرط نہوا اسی تفاوت کے لحاظ سے باصطلاح فقہا مبیعات کو اعیان اور نقود رائجہ کو اثمان کہتے ہیں کہ مبیع موجود خارجی معین ہوتی ہی اور ثمن موجود ذہنی مبہم ہوتی ہی اگر دونو طرف اشیا متعینہ ہوں تو دونوں کو اعیان کہینگے اثمان نہ کہہ سکیں گے کہ مفہوم ثمن میں ابہام اور کلیت ملحوظ ہی اور اسی لیے یہاں یک طرفہ اُدھار ممنوع ہوا کہ ایک طرف مبیع

معدوم ہی اور نقدی قیمت میں ایک طرف مبیع ہی اور دوسری طرف ثمن ہی اس لیے یہاں وجود مبیع تو شرط جواز ہوا اور وجود ثمن شرط جواز نہ ہوا ان اسرار و حکم کے سمجھنے کے بعد سمجھ میں آسکتا ہی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اشیاء ستہ مذکورہ بالا میں قیود لگائے ہیں وہ نہایت گہری حکمت پر مبنی ہیں لہٰذا قوانین میں اسقدر حکیمانہ دوراندیشی غیر نبی کا کام نہیں ہی اس لیے انسانی قوانین اگرچہ عقلاء دانشمند کے ساختہ ہوں بدلتے رہتے ہیں افسوس ہی کہ نئی روشنی کے دلدادہ نوجوان خود گرفتار ہوئے ہیں اور بزعم خود اپنے آپ کو دانشمند زمانہ خیال کرتے ہیں مگر باینہمہ قوانین نبویہ کو غیر دانشمندانہ جان کر اس کو رد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ محدثین نے ایسی احادیث گڑھ لی ہیں پیغمبر جیسے پیغامبر کا یہ فرمودہ نہیں کیونکہ وہ تو نہایت زیرک تھے۔ خیر غنیمت ہی کہ انھوں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو تو بظاہر بچا یا ہی محدثین کے ذمہ ہی تہمت وضع تھوپ دی ہی اللہ تعالیٰ ہم کو اور اُن کو توفیق فہم عطا فرماوے۔

علامہ مصری نے اپنے مضمون میں حدیث اسامہ انما الربا فی النسیئۃ سے غلط نتیجہ نکالا ہی۔ اس لیے مناسب ہی کہ اس کی شرح بھی بقدر ضرورت بیان ہو جاوے وہ بخاری و مسلم و ابن ماجہ وغیرہ میں مروی ہی۔

شرح حدیث نبوی لا ربا الا فی النسیئۃ

عن اُسامۃ ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال لا ربوا الا فی النسیئۃ ولا ربوا ما کان یداً بید ترجمہ۔ آپ نے فرمایا ہی کہ سود نہیں ہی مگر ادہار میں۔ اور جو ہاتھ بہاتھ ہو اس میں سود نہیں ہی۔ یہ دو جملے ہیں جو روایت بالمعنی سے مختلف اللفظ ہوگئے ہیں خلاصہ دونوں کا ایک ہی۔ اس حدیث کی صحت میں کوئی اشتباہ نہیں ہی مگر محدثین کو اس میں یہ خلجان ہی کہ گذشتہ حدیث جسمیں اشیاء ستہ کا ذکر ہی اور وہ بیشمار

صحابہ سے باسانید صحیحہ مروی ہی کہ اُس کا مضمون اور حدیث اسامہ کا مضمون متعارض ہی کیونکہ
اُس سے مفہوم ہی کہ دست بدست بیع میں بھی فضل ربا حرام ہی اور نسیہ فروخت کرنا بھی ربا
ہی اور حرام ہی اور اس سے معلوم ہوتا ہی کہ صرف نسیہ کی صورت میں ربا ہی اس پر توجیہات
اجتہادیہ شروع ہوئی کوئی کہتا ہی کہ حدیث اسامہ منسوخ ہی حالانکہ منسوخ کہنے کو ضروری ہی کہ
اولاً اُس کو معمول بہ ثابت کریں پھر کسی حدیث مؤخر سے اُس کا نسخ ثابت کریں مگر نہ کسی
حدیث سے معاملۂ نقدی میں جواز فضل کا مروج ہونا ثابت ہی اور نہ ناسخ کا مؤخر ہونا محقق
ہی۔ کوئی کہتا ہی کہ اسمیں ربا الکمل کے مبالغانہ نفی ہی یعنی بڑا سود نہیں ہی مگر نسیہ میں جیسے
لا فتیٰ اِلّا علیؓ میں فتوحات کاملہ کی نفی ہی مگر اس توجیہ کا کوئی لفظ مساعد نہیں ہی۔ کوئی
کہتا ہی کہ حدیث اسامہ مختلف الجنس بدلین سے متعلق ہی یعنی مثلاً نخود و گندم کے مبادلہ میں
اگر دست بدست تفاضل ہو تو وہ ربا نہیں ہی مگر ایک جانب اُدھار ہو تو وہ ربا ہی یہ توجیہ بہ نسبت
ہر دو توجیہات سابقہ کے بہتر ہی اور اشیاء ستہ کی حدیث سے موافق ہی مگر اس کا کوئی قرینہ لفظیہ
موجود نہیں ہی بندہ کے نزدیک اس کی توجیہ نہایت دلپذیر اور سہے وہ یہ ہی کہ مشرکین جو بیع
و ربا کو مماثل خیال کرتے تھے جب کوئی اُن سے کہتا تھا خدا کے حکیمانہ قانون کے سامنے
سر جھکاؤ اور ربا کو حرام سمجھو تو وہ جواب ذیل دیا کرتے تھے اس کو ابن جریر طبری نے
صفحہ ۶۲ پارہ ۳ یوں نقل کیا ہی فکان یقال لھما اِذا فعلا ذلک ھٰذا
ربا لا یحل فاذا قیل لھما ذلک قالا سواء علینا زِدنا فی اَوّل البیع او عند
محل المال فکذبھم اللّٰہ فی قیلھم فقال " واحل اللّٰہ البیع وحرم
الرِّبٰوا " ترجمہ۔ دو شخص جب سودی معاملہ کرتے تھے تو اُن سے کہا جاتا تھا کہ یہ سود ہی۔
حلال نہیں ہی تو وہ کہتے تھے کہ (حرام کیوں ہی) ایک ہی بات ہی خواہ ہم قیمت اوّل ہی زیادہ
ٹھیرا لیں یا مال کی میعاد ختم ہونے پر زیادہ کر لیں سو اللہ پاک نے اُن کے خیال کو غلط
ٹھیرایا ہی اور فرمایا کہ اللہ نے بیع حلال کی ہی اور سود حرام کیا ہی سو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

بھی حدیث اسامہ میں یہ بات جتائی ہو کہ اگر کوئی ایک روپیہ مالیت کی چیز دس روپے میں
اوّلاً ہی بگران قیمت فروخت کرے تو ربا نہیں ہو اور اگر اُس کو ایک روپیہ میں دہا ر بیچکر بتا خیر
اجل بیشی کرے تو وہ ربا ہو چنانچہ اس کی تشریح کامل پہلے بھی مدلل بیان ہو چکی ہو جس کا خلاصہ
یہ ہو کہ پہلی صورت میں خریدار ذی وسعت شدید الحاجت ہو زیادہ مال دیکر اپنی ضرورت پوری
کرتا ہو جو عقلاً و نقلاً ظلم نہیں ہو بلکہ از قسم بیع جائز ہو اور دوسری صورت میں خریدار نادار
ذی حاجت ہو میعاد مقرر پر اُس سے زائد طلب کرنا ظلم ناحق ہو اگر خریدار مالدار ہوتا تب
بھی ظلم تھا نادار پر تو اور بھی زیادہ ظلم قبیح ہوگا الغرض مقصود نبوی حدیث اسامہ میں یہ ہو کہ بوجہ
تاخیر اجل بیشی لینا ظلم و ربا ہو مگر ابتدا سے ہی گراں قیمت مقرر کرنا ربا نہیں ہو سو یہ معنی
نہ کسی حدیث کے معارض ہیں اور نہ قرآن کے منافی ہیں بلکہ بیع حلال اور ربا حرام کے صور
ایک دوسرے سے ممتاز کرتا ہو کہ ابتدائی گرانی عوض مبیع ہو وہ ربا نہیں اور انتہائی گرانی
عوض اجل ہو وہ ربا ہو اس توجیہ پر حدیث اسامہ میں تقدیر عبارت یہ ہوگی لا یتحقق
الربا الا فی عوض الاجل و التمتع الربا فی عوض کان بدلا بیلد یعنی بدل الاجل ہی میں
ربا ہو اور بدل المبیع میں بلا اجل کے ربا نہیں ہو الغرض اس میں ربا نسیہ کا ایک صورت میں
ہونا اور دوسری صورت میں نہونا مقصود نبوی تھا بعض صحابہ رضؓ مثل ابن عباسؓ و ابن عمرؓ
و دیگر بعض محدثین کو یہ اشتباہ ہوا کہ حدیث اسامہ میں لفظ (فی النسیہ) بمعنی فی عقد النسیہ ہے
اور لفظ (فی النسیة) بمعنی فی عقد النسیة ہو پھر اس توجیہ پر دوسری احادیث
سے تعارض پیش آیا اور توجیہات لیکے سے اُس کو رفع کرنا چاہا جو بمقتضائے الکذب
ریبہ تسکین قلب نہیں ہو سکتی ہو سو یہ توجیہات از قسم بنائے فاسد علی الفاسد ہیں صحیح
توجیہ خالی از تعارض یہ ہو کہ مراد لفظ ما سے عوض ہو اور یہی لفظ عوض پہلے جملہ میں بعد لفظ
فی محذوف ہو اور لفظ نسیہ کی طرف مضاف ہو خلاصہ دونوں کا یہ ہو بیع معجل میں عوض
اگرچہ گراں ہو ربا نہیں اور بیع موجل میں عوض اجل ربا ہو اس توجیہ پر یہ حدیث درایت

قرآنی ربا نسیہ کی توضیح ہی ربا الفضل سے اس حدیث کو علاقہ نہیں ہے اُس کی تشریح دوسری احادیث میں موجود ہے جس ربا کی تشریح حدیث اسامہ میں ہے اُس سے ربا الفضل کی احادیث ساکت و بے تعلق ہیں اور ربا الفضل سے اسامہ کی یہ حدیث ساکت و بے تعلق ہے دونوں میں اصلا تعارض نہ نکلا سو دونوں اپنے اپنے محل و موقع پر بلا تعارض صحیح ہیں فالحمد للہ الذی علمنی مالم اکن اعلم و افھمنی مالم اکن افھم بالجملہ حدیث اسامہ میں جو کسی کو اشتباہ تھا مراد نبوی کو صحیح محمل پر نہ بٹھانے سے پیدا ہوتا تھا جب وہ اشتباہ دور ہو تو اس نے ربا الفضل کی اباحت سے رجوع کیا چنانچہ کتب حدیث مجوزین کے قصہ رجوع سے لبریز ہیں جس کا یہاں نقل کرنا بے ضرورت ہے جب حقیقت یہ ہے تو آیۂ قرآنی اور حدیث اسامہ ربا نسیہ کی محرم ہیں اور اشیاء ستہ کی احادیث ربا الفضل کی محرم ہوئیں علامۂ مصری کا مدعا اس اجتہادی اختلاف سے کچھ نہ نکلا بلکہ وہ اختلاف ہی خود منتج کاہے منشاء قرآنی اور منشاء نبوی دونوں باعتبار متوافق ہو گئے۔

اب ہم اس بحث کو کہ احادیث نبویہ جو اشیاء ستہ سے متعلق ہیں آیت ربا کی مفسر نہیں ہو سکتی ہیں زیادہ مفصل و مدلل بیان کرتے ہیں اگرچہ پہلے بھی ہم اس کو مختصرا بیان کر چکے ہیں بغور سنیں۔

احادیث مذکورہ متعلق باشیاء ستہ آیت ربا کی مفسر نہیں ہیں

گزشتہ اوراق میں ناظرین فہمیدہ مثل آفتاب نیم روزہ سمجھ چکے ہیں کہ آیت ہرگز مجمل نہیں ہے اب یہ بھی غور فرماویں کہ اشیاء ستہ کے بارے میں جو احادیث تمام صحاح میں موجود ہیں وہ مفسر آیت ربا نہیں ہو سکتی ہیں جو حضرات ان کو مفسر آیت کہتے ہیں ان کا قول نہ نقلا درست ہے اور نہ عقلا صحیح ہے پہلے دلائل نقلیہ ملاحظہ فرماویں۔

ہم پہلے بحوالہ نقول معتبرہ ثابت کر چکے ہیں کہ سورہ بقر کی آیت اخیرہ در بارۂ ربا وسلم قریب وفات نازل ہوئی ہیں اکیس دن یا نو دن یا سات دن آپ ان آیات کے نزول کے بعد زندہ رہے ہیں مگر احادیث مذکورہ آپنے مدینہ میں تشریف لاتے ہی ارشاد فرمائی ہیں گویا نزول آیت ربا سے تقریباً دس برس پہلے چنانچہ بخاری میں پندرھویں پارہ میں یہ روایت در بارہ ربا مروی ہے عن البراء بن عازب قال قدم النبی صلعم ونحن نتبایع ھذا البیع فقال ما کان ید اً بید فلیس بہ باس وما کان نسیئة فلا یصلح ترجمہ براء سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے اور ہم اس وقت یہ بیع (بیع الصرف) کیا کرتے تھے جس طرح چاہیں سو آپنے فرمایا کہ نقدین کا جو معاملہ ہاتھ بہاتھ ہو اُس میں کچھ حرج نہیں ہے اور جو معاملہ ایک طرفہ اُدھار کے طور پر ہو تو درست نہیں ہے۔ اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ یہ ارشاد اصلاحی قدوم مدینہ کے متصل ہی ہوا تھا پھر جسقدر احادیث اس کے ہم مضمون ہیں وہ بھی اوّل ہی سے ارشاد ہونی شروع ہو گئیں۔ علیٰ ہذا در بارۂ سلم بھی قدوم کیوقت ہی اصلاحات آپنے جاری فرمائی تھیں۔ بخاری میں ہے بارہ ہشتم عن ابن عباس قال قدم رسول اللہ صلعم المدینة وھم یسلفون بالتمر السنتین والثلاث فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اسلف فی شیٔ ففی کیل معلوم ووزن معلوم واجل معلوم ترجمہ ابن عباس سے مروی ہے کہ آپ مدینہ میں رونق افروز ہوئے اور لوگ میوہ جات میں دو دو سال اور تین تین سال کی میعاد پر سلم کیا کرتے تھے تو آپ نے فرمایا جس کو کسی شے میں سلم کرنا ہو تو پیمانہ معلوم اور تول معلوم اور میعاد معلوم کے ساتھ سلم کرے۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ سلم کی اصلاح قدوم مدینہ کے متصل ہی آپ فرما چکے تھے تو اب بندۂ ناچیز کہتا ہے کہ کیا کسی کی عقل سلیم باور کر سکتی ہے کہ احادیث مفسرہ تو دس برس پہلے

ارشاد ہوں اور آیت مجملہ آخر میں نازل ہو کہیں تفسیر بھی قبل المجمل اور شرح قبل المتن ہوتی ہے مفسر کا بعد المجمل ہونا بدیہیات اولیہ سے ہے تفسیر بعد الاجمال تو امر معروف ہے مگر اجمال بعد التفسیر آجتک مسموع نہیں ہوا۔ الغرض احادیث مقدمہ کو آیت مؤخرہ کا مفسر کہنا نہایت بیہودہ بات ہے جنھوں نے اُن کو مفسر آیت کہا ہے اُن کی نظر تقدم احادیث پر نہیں پہنچی ورنہ ہرگز ایسی بات مہمل نہ فرماتے علامہ مصری نے بعض کتب اصول میں دیکھا کہ آیت کو مجمل اور احادیث کو مفسر لکھتے ہیں سو اسکو آنکھ بند کر کے تسلیم کر لیا اور غور نہ کیا کہ یہ دعوے اجمال صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کی طرف سے نہیں ہے بلکہ بعض مشایخ متاخرین نے بلا تدبر ایسا خیال کیا تھا جو خود موجہ بالدلائل نہیں ہے تعجب ہے کہ علامہ موصوف تو سلف صالحین کو اقوال بارده کا تابع جتاتا تھا مگر وہ خود بھی نہیں اقوال بارده کو اپنا مستند ٹھہراتا ہے اور حرام کو حلال بتاتا ہے۔ وو فتدبروا یا اولی الالباب

اب یوں کہنا چاہیے کہ آیت حرم الربوا تحریم نبوی کی مصدق و مؤید ہے چنانچہ آیت کا جملہ خبریہ ہونا بھی اس کو مقتضی ہے کہ اس کا محکی عنہ پہلے سے ہو چکا ہو ورنہ یہ جملہ کلام کاذب ہوگا کہ محکی عنہ تو پہلے سے موجود نہیں تھا اور حکایت کا ذبہ خدائے پاک نے نازل کر دی ہے۔ تعالی اللہ عن ذلك علوا كبيرا ومن اصدق من الله قيلا

دلیل دوم اور ملاحظہ ہو جنگ خیبر ہجرت سے چھ سال بعد ہوئی تھی اس روز بھی آپ نے ربا کی حرمت ارشاد فرمائی ہے مسلم شریف میں ہے عن فضالة بن عبيد قال اشتريت يوم خيبر قلادة باثني عشر دينارا فيها ذهب وخرز ففصلتها فوجدت فيها اكثر من اثني عشر دينارا فذكرت ذالك للنبي صلعم فقال لا تباع حتى تفصل

ترجمہ۔ فضالہ سے مروی ہے کہ میں نے بروز فتح خیبر ایک ہار بارہ دینار کو خریدا اس میں سونا اور کچھ نگ تھے سو میں نے ان کو جدا جدا کیا تو سونا بارہ دینار سے زیادہ برآمد ہوا یہ قصہ میں نے آپکی خدمت میں ذکر کیا تو ارشاد فرمایا کہ ایسا زیور مخلوط بلا جدا کیے فروخت نہ کیا جاوے۔ یہ حدیث بھی نزول ربا سے چار سال مقدم ہے سو کیا یہ بھی آیت ربا کی مفسر ہوگی

ہر گز نہیں۔

دلیل سوم ملاحظہ ہو۔ حجۃ الوداع میں جو یقیناً آیت ربا کے نزول سے پہلے ہو آپ نے میدان عرفات میں خطبہ فرمایا اس میں ربا کی موقوفی کا اعلان عام کیا چنانچہ مسلم میں ہی وربا الجاہلیۃ موضوع واول ربا اضع من ربانا ربا عباس بن عبد المطلب

ترجمہ۔ زمانہ جاہلیت کا سود معاف ہی اور پہلا ربا جو اپنے خاندان کا ہم کو معاف کرتا ہی وہ عباس بن عبد المطلب کا ہی۔

دلیل چہارم ملاحظہ ہو۔ بخاری و مسلم میں ہی عن ابی سعید وابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم استعمل رجلا علی خیبر فجاءہ بتمر جنیب فقال اکل تمر خیبر ھکذا قال لا واللہ یا رسول اللہ انا لناخذ الصاع من ھذا بالصاعین والصاعین بالثلاث فقال لا تفعل بع الجمع بالدراھم ثم ابتع بالدراھم جنیبا وقال فی المیزان مثل ذلک

یعنی رسول خدا علیہ السلام نے ایک شخص کو خطہ خیبر پر عامل بنایا سو وہ عمدہ کھجور لیکر حاضر خدمت ہوا آپنے فرمایا کہ کیا خیبر کی تمام کھجوریں ایسی عمدہ ہیں بولا کہ نہیں بلکہ ہم ایک پیمانہ دو کے بدلے اور دو پیمانے تین کے بدلے خرید لیتے ہیں اس پر آپنے فرمایا کہ ایسا مت کیا کرو بلکہ ملی کھجور کو نقد روپیہ کے عوض بیچ ڈالو پھر اس کے روپیہ کے عوض عمدہ کھجور خرید لیا کرو اور تول کی چیزوں میں بھی ایسا ہی فرمایا۔ اس حدیث میں سود سے بچنے کی تدبیر بھی سمجھا دی ہی کہ مجانس اشیاء جو بوجہ تفاوت صفات مختلف الاسعار ہوں۔ باہم نہ بیچو بلکہ مختلف الجنس ثمن کے بدلے خرید و فروخت کر لیا کرو۔ بالجملہ ان ادلہ اربعہ سے ثابت ہوا کہ محرم الفضل والنسا احادیث عدیدہ نزول آیت ربا سے بہت پہلے ہیں تو وہ موخر النزول آیت کی مفسر کیسے ہو سکتی ہیں۔

عقلی دلائل اب دلائل عقلیہ بھی ملاحظہ ہوں جنسے احادیث معلومہ کا مفسر آیت ربا ہونا باطل معلوم ہوتا ہی۔ آیت ربا اور احادیث مذکورہ کے مضامین مختلف ہیں اور

ظاہر ہے کہ کوئی کلام دوسری کلام مختلف المعنی کی مفسر نہیں ہو سکتی ہے۔ اول تو سُنو آیت حرم الربوا حسب تشریح گزشتہ عوض لاجل کی محرم ہے اور نفس معاملہ موجلہ کی محرم نہیں ہے مگر حدیث نبوی نفس معاملہ موجلہ کی محرم ہے۔ دوسرے آیت مذکورہ فضل نسیہ کو محرم ہے اور حدیث مذکور فضل نقد کو محرم ہے۔ تیسرے آیت ہر دین موجل پر بیشی کو محرم ہے اور حدیث صرف بیع ہمجنس پر بیشی کو محرم ہے۔ چوتھی آیت تمام قرضی اشیا کو شامل ہے اور حدیث صرف چھ اشیا کو ساوی ہے۔ پانچویں آیت بلحاظ مورد بدل غیر مجالس سے متعلق ہے اور حدیث مجالس و غیر مجالس ابدال سے متعلق ہے۔ چھٹے معاملہ کنندہ سود اگر بتوفیق خداوندی تائب ہوا تو آیت معلومہ راس المال کو دلا دے گی نفس معاملہ کو فسخ نہ کرے گی مگر حدیث مذکور نفس معاملہ کو فسخ کرا دے گی کیونکہ اشیاے ستہ اموال ربویہ ہیں ان کا اُدھار معاملہ کرنا اگرچہ بالتساوی ہو حرام معاملہ ہے اور حرام قابل فسخ ہے الغرض آیت سے نفس معاملہ کا فسخ ہونا مفہوم نہیں ہوتا ہے اور حدیث معلوم سے نفس معاملہ کا حرام و منسوخ ہونا مفہوم ہوتا ہے۔ اب جبکہ آیت معلومہ اور حدیث مذکورہ میں یہ تفاوتات ستہ عقلیہ موجود ہیں اور چار دلائل نقلیہ مذکورہ سدّ راہ ہیں تو کیونکر حدیث مذکور مفسر آیت معلومہ ہو سکتی ہے۔ ناظرین فہمیدہ سے امید ہے کہ ان عشرہ کاملہ دلائل نقلیہ و عقلیہ کو پیش نظر کر کے فیصلہ فرماویں کہ آیا حدیث مذکور آیت معلومہ کی مفسر ہو سکتی ہے یا نہیں لامحالہ حق یہی ہے کہ آیت قرآنی سے ربا النسیہ حرام ہوا اور حدیث سے ربا الفضل اور عقد موجل حرام ہوا ہے دونوں کا مفہوم ایک نہیں ہے حالانکہ مجمل و مفسر کا متحد المفہوم ہونا بالبداہت ضروری ہے قرآن سے ایک خاص اصلاح ہوئی ہے اور حدیث سے اور دو قسم کی اصلاح ہوئی ہے السداد جور و ظلم میں دونوں کو دخل ہے مگر اجمال و تفسیر کی نسبت اُن میں نہیں ہے سب سے کھلی خرابی یہی ہے کہ حدیث مذکور آیت ربا سے مقدم البیان ہے اور مقدم شئی موخر شئی کی مفسر نہیں ہو سکتی ہے۔

اب مناسب ہے کہ جر نفع والے قرض کی حرمت حدیث سے بھی ہم پختہ کر دیں اگرچہ اس کی حرمت قرآن سے محقق ہو چکی ہے اور اس ضمن میں علامہ مصری کی خطا فہمی بھی ظاہر کر دیں

کیونکہ اُس کے زعم میں اُس کی حرمت قرآن سے تو ثابت نہیں ہے حدیث سے مفہوم ہے مگر وہ بایں
ضعیف ہیں مگر یہ دونوں خیالات اُن کے یقیناً فاسد ہیں۔

شرح حدیث نبوی کل قرض جرّ نفعاً فھو رباہ

اس حدیث میں علامہ مصری کو دو خطا لاحق ہیں۔ اوّل یہ کہ جرِ نفع کے معنی نہیں سمجھے
ہیں دوم یہ کہ ضعف سند کو رد حدیث کے لیے وجہ کافی خیال کرتے ہیں۔ ہم پہلے اُس کی
معنوی خطا ظاہر کرتے ہیں اُس کے بعد صحت و ضعف کی بحث لکھیں گے۔ علامہ موصوف نے
جرِ نفع کے یہ معنی سمجھے ہیں کہ وقت استقراض اُس میں شرطاً سود کر لیجا دے تو یہ سود مشروط
جرِ نفع کا مصداق ہے سود کو یہ حدیث ربا ٹھہراتی ہے مگر یہ حدیث خود ضعیف ہے تو ایسی ضعیف
حدیث سے اُس کی حرمت ثابت نہیں ہو سکتی ہے۔ مگر ارباب فہم غور سے کام لیویں۔ سود مشروط
جرِ نفع کا مصداق نہیں ہے بلکہ غیر مشروطہ تحائف و ہدایا جرِ نفع کے مصداق ہیں جو مقروض کی
طرف سے مقرض کے خوشنود رکھنے کے لیے پیش کش ہوا کرتے ہیں جیسا کہ لفظ نفعاً منکر سے
مفہوم ہے یہ نفع اُن تحائف کی نظیر ہے جو قضات و عمال کو پیش ہوا کرتے ہیں اور رشوت کہلاتے
ہیں کیونکہ نفع مشروط تو نفع مشخص و معین ہوتا ہے اور غیر مشروط نفع ہر چھوٹے موٹے نفع کو متناول
ہے سو یہ حدیث ہر غیر معین چھوٹے موٹے نفع کو ربا ٹھہراتی ہے لا محالہ اس حدیث میں جرِ نفع
کا مصداق و محمل ہر قلیل و کثیر نفع ہے جو بلا اشتراط مقرض کو حاصل ہوتا ہے ایسا نفع ملحق بالربا
ہے عین ربا نہیں ہے اس صورت میں جملہ فھو ربا بمعنی ذو ربا ہے اور مرجع ضمیر لفظ قرض ہوگا گر
مرجع ضمیر لفظ نفعاً ہو تو مبتدا کی ضمیر لفظ نفعاً ہو تو مبتدا کی ضمیر سے جملہ خبریہ خالی ہجاوے گا
جو بقاعدہ نحو جائز نہیں ہے۔ قرض کا سود مشروط تو عین ربا ہے جو حرمت الربوٰ کا فرد مصداق ہے یہ
معاملۂ قرض کا اثر یہ ہے کہ مقروض کے ذمہ رد المثل واجب ہو سو مثل قرض تو راس المال ہوا

جس کا طلب کرنا ظلم نہیں ہے ہاں اس پر منبنی ٹہرانا رہا ہو اجو مقتضائے لاتظلمون ولاتظلمون از قسم ظلم ہوا اور محرم بالقرآن ہوا جب یہ بات ذہن نشین ہوئی کہ جر نفع کا مصداق نفع غیر مشروط ہے تو اگر یہ حدیث ضعیف ہی ہو تو نتیجہ بحث یہ ہوگا کہ ہدایائے غیر مشروطہ کی حرمت حدیث صحیح سے ثابت نہوئی بلکہ حدیث ضعیف سے مفہوم ہوئی خیر اس صورت میں یہ حرمت متیقنہ نہوئی مگر مشتبہ تو ضرور کہلاوے گی پھر قرآن اور حدیث اور عقل سلیم ہدایت کرتی ہیں کہ مشتبہ خطرناک چیز سے حفاظت خود اختیاری ضروری ہے اگرچہ اس خطرناک چیز کا علم یقینی ہم کو حاصل نہو۔ آیت قرآنی یہ ہے یا ایھا الذین آمنوا خذوا حذرکم اے ایمان والو اپنی بچانیوالی تدبیر اختیار کرو۔ اور حدیث نبوی یہ ہے دع ما یریبک الی ما لا یریبک خطرناک امر کو چھوڑ کر بے خطر پہلو اختیار کرو۔ اور دوسرے حدیث میں من اتقی الشبہات استبرأ لدینہ وعرضہ ومن وقع فی الشبہات وقع فی الحرام یعنی جو شخص مشتبہ کاموں سے بچا اس نے اپنے دین اور آبرو کو صاف رکھا اور جو شخص مشتبہ کاموں میں پڑا وہ حرام کاموں میں بھی مبتلا ہوگا۔ اور عقلی ہدایات کے لکھنے کی حاجت نہیں ہے الغرض مشتبہ چیز سے بچنا قرآناً وحدیثاً وعقلاً ضروری ہے تو ہم نے مانا کہ حدیث مذکور ضعیف السند ہے مگر جر نفع کا مصداق سود مشروط نہیں ہے بلکہ منافع غیر مشروطہ ہیں تو ضعف سند پر لحاظ کر کے اگر شبہ پیدا ہوا تو ہدایائے غیر مشروطہ کی حرمت میں پیدا ہوا نہ کہ سود مشروط کی حرمت میں۔ ہم بھی کہینگے کہ اگر یہ حدیث صحیح السند ہوتی تو منافع غیر مشروطہ کی حرمت بھی قطعی ہوتی لیکن چونکہ وہ ضعیف السند ہے لہذا ہدایائے غیر مشروطہ کی حرمت مشتبہ ہوگئی قطعی نہوئی مگر مقتضائے دین بھی ہے کہ مشتبہ الحرمۃ اشیا سے بھی بچے رہیں۔ بہرحال اس حدیث کو سود قرض مشروط سے کوئی تعلق نہیں ہے اگر یہ ضعیف ہے تو اس سے سود قرض کی حرمت میں کوئی شبہ پیدا نہیں ہوسکتا ہے بلکہ غیر مشروط منافع کو مشتبہ الحرمت کہو تو کچھ حرج نہیں ہے لیکن معاملہ قرض میں سود مشروط کو مشتبہ الحرمت کہنا سخت نادانی ہے کہ وہ تو قرآن پاک سے حرام ہے جیسا کہ پہلے مدلل گزر چکا ہے

الحاصل علامہ مصری نے افسوس ہی کہ اس حدیث کے صحیح معنی نہ سمجھے پھر اُس کے ضعف
سے جو نتیجہ نکالا غلط نکالا ورنہ اگر صحیح معنی سمجھ لیتے تو یوں کہتے کہ اس حدیث سے منافع غیر مشروطہ
کی حرمت نکلتی ہی مگر بوجہ ضعف سند کے وہ حرمت مشتبہ ہو گئی ہی۔ الغرض وہ نفع جو وقت
عقد بعوض اجل مشروط کیا جاوے وہ قرآن پاک سے جزماً حرام ہی خواہ بیع میں ہو یا قرض میں یا
اجارہ میں ہو یا نکاح میں یا دیگر معاملات میں اس حدیث کو ایسے سود مشروط سے کوئی تعلق
نہیں ہی۔ اب ہم کو یہ لکھنا بھی مناسب ہی کہ یہ حدیث کس کتاب میں کس سند سے مروی
ہی اور سبب ضعف کیا ہی اور آیا وہ ضعف سند موجب رد حدیث ہے یا نہیں سو سنئے۔ علامہ زیلعی
نے کتاب الحوالہ میں صفحہ ۱۹۸ پر لکھا ہی کہ محدث کامل حارث ابن ابی اسامہ نے اپنی مسند میں
اُس کو اس سند سے نقل کیا ہی حدثنا حفص بن حمزۃ انبانا سوار بن مصعب
عن عمارۃ الہمدانی قال سمعت علیاً یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کل قرض جر منفعۃ فہو رباً ۔ ترجمہ یعنی علی کرم اللہ وجہہ سے میں نے سنا کہ
رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہی کہ جو قرض حصول منفعت کا سبب بنے تو وہ بحکم ربا ہی۔
اس سند میں سوار بن مصعب ہی وہ عند المحدثین ضعیف و متروک ہی چنانچہ علامہ عبد الہادی
اپنی کتاب تنقیح التحقیق میں لکھتے ہیں۔ اسنادہ ساقط سوار متروک الحدیث یعنی یہ سند
ساقط الاعتبار ہی کہ سوار نامقبول الحدیث ہی۔ سو اس سقم قادح کی وجہ سے اس کا فرمودہ تابع
علیہ السلام ہونا مشتبہ ہوا یعنی یہ حدیث مرفوع پایہ ثبوت کو نہ پہنچی تو منافع غیر مشروطہ کی حرمت
یقینی نہ ہوئی بلکہ مشکوک فیہ رہی۔ اب غور طلب یہ ہی کہ آیا اس حدیث ضعیف السند کو بمنزلہ حدیث
موضوع کے سمجھکر رد کر دیں یا اُس کی صحت و عدم صحت کو دوسرے دلائل سے مرجح کریں
تاکہ جونسی جانب راجح ہو اس کو معمول بہ بنا دیں اور جانب مرجوح کو متروک ٹہرا دیں۔ سو قرآن
پاک و عقل سلیم کا تقاضا ہی کہ اُس کا تجسس دلائل اخری سے کریں بعد تجسس جانب مرجوح کو
ترک کریں سورۂ حجرات میں ہی یاایہا الذین آمنوا ان جاءکم فاسق بنبا فتبینوا۔

یعنی ایمان والو اگر کوئی بد دین تمہارے پاس کوئی خبر لادے تو اس کی چھان بین کرو۔ اب
ہم کہتے ہیں کہ گو یہ حدیث سنداً ضعیف ہو مگر نفس الامر میں صحیح ہو دلائل اُخری اس کی صحت
پر شاہد ہیں۔ سنئے وقایع گزشتہ کا ثبوت دو طرح سے ممکن ہو یا بسلسلہ سند یا بتوارث سلف
اگر سلسلہ سند قابل اعتبار نہو مگر تعامل سلف اوس خبر کے موافق ہو تو یقین کر لینا چاہیے کہ وہ
خبر ضرور نفس الامر میں صحیح ہو اگرچہ ہم تک معتبر ذریعہ سے نہیں پہنچی ہو سو حدیث مذکور میں یہی
قصہ ہو صحابہ و تابعین کا عملدرآمد اسی حدیث کے موافق ہو چنانچہ بخاری میں ہو عن ابی بردۃ
بن ابی موسیٰ قال قدمت المدینۃ فلقیت عبد اللہ بن سلام فقال لی
انک بارض فیہا الربا فاش فاذا کان لک علی رجل حق فاہدی الیک حمل
تبن او حمل شعیر او حمل قت فلا تاخذہ فانہ ربوا ۵
یعنی ابو بردہ سے مروی ہو کہ میں مدینہ آکر عبد اللہ بن سلام سے ملا تو انھوں نے مجھ سے فرمایا
کہ تو ایسے خطہ میں ہو جہاں بیاج پھیلا ہوا ہو سو اگر تیرا کسی کے ذمہ کچھ آتا ہو اور وہ اس بابت
میں تیرے یہاں ہدیہ بھیجے بھوسہ کا گٹھا یا جو کا یا چارہ کا سو اُس کو قبول نہ کرنا کہ وہ بیشک
ربا ہو۔ اس میں جملہ فانہ ربوا قابل لحاظ ہو لسان عرب میں جملہ مؤکدہ بات قطعی بات کے لیے
مستعمل ہوتا ہو سو اگر عبد اللہ بن سلام اس کی حرمت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے
ہوئے نہوتے اپنی رائے سے اُس پر حرمت کا حکم قطعی نہ لگاتے اس سے معلوم ہوا کہ
ضرور آپ نے اس کو حرام کیا ہو اگرچہ ہم تک پہونچنے میں وہ حدیث ضعیف ہو گئی ہو۔ اور مصنف
ابن ابی شیبہ میں بسند صحیح ہو حدثنا ابو خالد الاحمر عن حجاج عن عطاء قال کانوا
یکرہون کل قرض جر منفعۃ یعنی عطاء تابعی سے منقول ہو کہ صحابہ مکروہ سمجھتے تھے ایسے قرض
کو کہ جو کسی منفعت کا ذریعہ ہو اس اثر میں قرآن صحابہ کا ایسے قرض جالب نفع کا مکروہ
جاننا مذکور ہو سو بلا ارشاد نبوی اُس کو سب مکروہ کیسے خیال کر سکتے تھے اس سے
بھی آپ کا ارشاد فرمانا ضرور ثابت ہوتا ہو۔ اور امام محمد نے اپنی کتاب الآثار میں یوں

نقل کیا ہے۔ عن ابی حنیفۃ عن حماد عن ابراہیم قال کل قرض جرّ منفعۃ فلا خیر فیہ۔ قال و بہ ناخذ وھو قول ابی حنیفۃ یعنی ابراہیم نخعی تابعی نے فرمایا کہ جو قرض جالب نفع ہو اُس میں ذرا خیر نہیں ہے امام محمد نے کہا کہ ہم بھی اس فتوے کو قبول کرتے ہیں اور امام ابو حنیفہ کا بھی یہی قول ہے۔ علیٰ ہذا بیہقی نے سنن کبریٰ میں چند صحابہ کے آثار باسانید معتبرہ نقل کئے ہیں چنانچہ نیل الاوطار میں ہے۔ و رواہ فی السنن الکبریٰ عن ابن مسعود و ابی بن کعب و عبد اللہ بن سلام و ابن عباس موقوفا علیھم الغرض ان تمام آثار موقوفہ صحیح السند کر حدیث مرفوع ضعیف کی پوری تائید ہوگئی لہٰذا اُس کی نفس الامری صحت میں کوئی تردد باقی نہیں رہا اگرچہ وہ سنداً ضعیف تھی اب اُس کو حسن لغیرہ کہنا چاہیے۔ الغرض ان چند آثار سے محقق ہوا کہ گروہ صحابہ و تابعین اور ائمہ متبوعین جالب نفع قرض کو مکروہ جانتے تھے تو یہ بلا اختلاف کراہت بلا اس کے ممکن نہیں کہ شارع علیہ السلام نے اسکو حرام کیا ہو لامحالہ کہنا پڑیگا کہ احادیث جر نفع والی اگرچہ سنداً ضعیف ہیں مگر نفس الامر میں وہ ضرور فرمودہ شارع علیہ السلام ہیں ورنہ تعامل صحابہ و تابعین اُس کی حرمت پر متفق نہوتا اب بعد جان لینے توارث سلف کے اُن احادیث کی صحت راجح ہوئی اور عدم صحت مرجوح ہوئی لہٰذا حسب آیت قرآنی بعد تبین وہ احادیث ضعیفہ مقبول اور معمول بہ ہوئیں اور حسن لغیرہ کہلائیں۔ علاوہ بریں حدیث زیلعی کی تائید اور احادیث سے بھی چنانچہ امام بخاری نے اپنی کتاب تاریخ میں یوں روایت کیا ہے۔ عن انس عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال اذا اقرض الرجل الرجل فلا یاخذ ھدیۃ یعنی آپ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص دوسرے کو قرض دیوے تو اُس کی طرف سے ہدیہ قبول نہ کرے۔ اور بیہقی نے شعب الایمان میں اور ابن ماجہ نے اس کو بایں الفاظ روایت کیا ہے۔ اذا اقرض احدکم قرضا فاھدی الیہ او حملہ علی الدابۃ فلا یرکبھا ولا یقبلھا الا ان یکون جری بینہ و بینہ قبل ذالک ۵ یعنی جب تم میں سے کوئی قرض دیوے اور مقروض ہدیہ پیش کرے

تو نہ اُس پر سوار ہو اور نہ وہ ہدیہ قبول کرے لیکن اگر قرض سے پہلے بھی ایسے ہدیہ وغیرہ کا باہم معمول تھا تو کچھ حرج نہیں ہے۔ ان دونوں حدیث کی سندوں میں بھی کچھ کلام ہے۔ گر تعامل صحابہ جابر ضعف ہے اور ابو داؤد میں ہے عن ابی امامۃ ان رسول اللہ صلی اللہ وسلم قال من شفع لاحد شفاعۃ فاھدی لہ ھدیۃ فقبلھا فقد اتی بابا عظیما من ابواب الربا یعنی جس نے کسی کی سفارش کی اس پر اُس نے کوئی ہدیہ پیش کیا اور اس نے اُس کو قبول کر لیا تو ربا کے دروازوں میں سے بڑے دروازہ میں گھس گیا۔ اللہ اکبر جب سفارش کا صلہ بھی حرام ہو تو قرض امدادی کا ہدیہ کیوں حرام نہ ہوگا کیونکہ قرض تو ایک معاملۂ دینی ہے اور دیون میں ربا بنص قرآن حرام ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ربا کی اقسام بہت سی ہیں مگر شدت و خفت میں متفاوت ہیں ان کی تعداد بروایت ابن ماجہ ہے۔ عن عبد اللہ عن النبی صلعم الربا ثلثۃ وسبعون بابا حدیث سے جو جو بیوعات منہیہ نبوی ہیں وہ سب اقسام ربا ہیں جس کسی نے احادیث نبویہ کو مفسر ربا کہا ہے اُس کا مطلب یہی ہے کہ احادیث سے تفاصیل ربا معلوم ہوئی ہیں نہ یہ کہ آیت ربا مجہول المراد مجمل تھی یہ معنی غلط صحیح ہیں جیسا کہ پہلے مفصل گذر چکا ہے۔

حدیث کی صحت وضعف کا بیان

محدثین نے از راہ احتیاط روات حدیث میں چند شرائط تجویز کی ہیں جس سلسلہ سند میں وہ شرائط پائی گئیں اُس کو اصطلاحاً صحیح ٹھہرایا اور جس میں وہ نہیں پائی گئیں اُس کو ضعیف بتایا مگر اصطلاحی صحت کو نفس الامری صحت لازم نہیں اور اصطلاحی ضعف کو نفس الامری خطا ضروری نہیں۔ بخاری میں نبی علیہ السلام کی عمر کے بارہ میں تین روایات موجود ہیں۔ ساٹھ برس۔ تریسٹھ برس پینسٹھ برس اور تینوں اصطلاحاً صحیح ہیں مگر نفس الامر میں تینوں صحیح نہیں ہو سکتی ہیں بلکہ

ایک ہی صحیح ہوگی۔ علیٰ ہٰذا کتب احادیث میں بہت روایات اصطلاحاً ضعیف ہیں مگر تمام اُمت کا اس پر عمل ہے مثلاً ابن ماجہ میں بارہ مضاربت یہ حدیث ہے صفحہ ۱۶۶ حدثنا الحسن بن علی الخلال حدثنا بشر بن ثابت البزار حدثنا نصر بن القاسم عن عبد الرحیم بن داؤد عن صالح بن صہیب عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاث فیھن البرکۃ البیع الی اجل والمقارضۃ واخلاط البر بالشعیر للبیت لا للبیع یعنی آپ نے فرمایا کہ تین چیزوں میں برکت ہے۔ اُدھار بیچنے میں اور مُضاربۃ روپیہ دینے میں اور گھر کے خرچ کے لیے گیہوں اور جو ملانے میں نہ کہ گندم فروختنی میں۔ یہ حدیث بوجہ نصر بن قاسم وعبد الرحیم وصالح بن صہیب باتفاق محدثین ضعیف ہے نیل الاوطار صفحہ ۱۴۰ جلد ۵ میں ہے۔ فی اسنادہ نصر بن القاسم عن عبد الرحیم بن داؤد وہما مجہولان یعنی اس اسناد میں نصر اور عبد الرحیم مجہول الحال ہیں۔ اور تقریب تہذیب میں ہے۔ صالح بن صہیب بن سنان الرومی مجہول الحال من الرابعۃ یعنی صالح جو صہیب بن سنان کا بیٹا ہے مجہول الحال ہے طبقہ رابعہ سے ہے۔ مگر چونکہ قرآن صحابہ وتابعین و ائمہ متبوعین کا جواز مضاربت پر عمل درآمد ہے اس لیے کہنا پڑا کہ اگرچہ یہ حدیث سنداً ضعیف ہے مگر نفس الامر میں صحیح وثابت ہے چنانچہ نیل الاوطار میں بعد ذکر آثار صحابہ وتابعین یوں مذکور ہے۔ فھذہ الآثار تدل علی ان المضاربۃ کان الصحابۃ یتعاملون بہا من غیر نکیر فکان ذلک اجماعا علی الجواز ولیس فیہا شئ مرفوع الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا ما اخرجہ ابن ماجۃ ولکن فی اسنادہ نصر بن القاسم عن عبد الرحیم بن داؤد وہما مجہولان۔

یعنی یہ آثار مذکورہ جتاتے ہیں کہ صحابہ مضاربت کیا کرتے تھے بلا انکار سو اس کے جواز پر اجماع ہوا لیکن اس بارہ میں کوئی حدیث مرفوع نہیں ہے بجز ابن ماجہ کی حدیث کے مگر وہ ضعیف ہے کہ اس میں دو راوی مجہول ہیں۔ ارباب فہم غور فرماویں کہ حدیث مضاربۃ اور حدیث جبر نفع بالکل مماثل ہیں یعنی نہ پہلی حدیث مرفوع سنداً صحیح ہے اور نہ دوسری حدیث مرفوع صحیح ہے ہاں

جیسے حدیث مضاربت کی تائید آثار صحابہ سے ہے اور اُس کا جواز اجماعی ہے ایسے ہی حدیث حجرِ نفع کی تائید با آثار صحابہ ہے اور اُس کی حرمت اجماعی ہے۔ تو اب علامہ مصری اور اُس کے ہمخیالوں کو زیبا ہے کہ جیسے حدیث حجرِ نفع کو بعذرِ ضعف رد کیا ہے اور آثار صحابہ سے آنکھوں پر پٹی باندھ لی ہے ایسے ہی مناسب ہے کہ حدیث مضاربت کو بھی بعذرِ ضعف رد کریں اور مضاربت کو ناجائز ٹھیرائیں اور آثار صحابہ سے آنکھ بند رکھیں۔ مگر مضاربت کو کوئی روشن خیال ناجائز نہیں کہیگا لیکن یہ اعتراض سخت اُن پر رہیگا۔ کہ ایک ضعیف حدیث کو تو قبول کر لیا اور ایک کو رد کر دیا۔ اس تحکم بیجا کی کوئی وجہ تو بتاویں۔ علیٰ ہٰذا دوسری حدیث ضعیف مقبول عند الکل ملاحظہ ہو۔ عن عون بن عبد اللہ عن ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اختلف البیعان فالقول قول البائع والمبتاع بالخیار ھذا حدیث مرسل عون بن عبد اللہ لم یدرک ابن مسعود[1] یعنی آپ نے فرمایا کہ جب بائع و مشتری میں اختلاف پیدا ہو جاوے تو بائع کا قول معتبر ہے مشتری کو اختیار ہے کہ قول بائع کے موافق لینا ہو تو لے لیوے ورنہ چھوڑ بیٹھے۔ یہ حدیث کتب متعددہ میں باسانید مختلفہ مروی ہے مگر ہر سند میں ارسال و انقطاع کا نقص ہے با ایں ہمہ تمام فقہاء و محدثین کا صحابہ سے اس وقت تک اس پر عمل ہے۔ نیل الاوطار صفحہ ۱۹ جلد ۵ میں ہے قال الخطابی ھذا حدیث قد اصطلح الفقہاء علی قبولہ وذلک یدل علی ان لہ اصلا وان کان فی اسنادہ مقال کما اصطلحوا علی قبول لا وصیۃ لوارث وا سنادہ فیہ ما فیہ یعنی محدث خطابی نے کہا ہے کہ یہ ایک حدیث ہے جس کے قبول پر تمام فقہاء متفق ہیں اور اس اتفاق سے پتہ لگا ہے کہ اس حدیث کی اصل ضرور صحیح ہے اگرچہ اس کی اسناد میں کچھ کلام ہے جیسا کہ حدیث لا وصیۃ لوارث کے قبول پر سب کا اتفاق ہے حالانکہ اُس کی سند میں بھی جو کچھ سقم ہے سو ہے۔ ہمنے یہ دو ضعیف السند حدیثیں بطور نمونہ پیش کی ہیں جو باتفاق امت معمول بہا ہیں ورنہ کتب حدیث ایسے معمول بہا ضعاف سے مملو ہیں ترمذی شریف اٹھا کر ملاحظہ کرو اس کے نظائر کثیرہ ملیں گے

[1] رواہ الترمذی۔

عبارت نیل الاوطار سے معلوم ہوا کہ جو حدیث ضعیف السند ہو مگر قرن صحابہ و تابعین کا اُس پر عمل درآمد ہو تو وہ حدیث جمہور فقہاء و محدثین کے نزدیک مقبول و معمول بہا ہوتی ہے اور نفس الامر میں وہ شارع علیہ السلام کی فرمودہ ہوتی ہے۔ بالغرض ار قبول نفس الامری صحت پر ہے نہ کہ صحت اصطلاحی پر علیٰ ہذا رد نفس الامری فساد پر ہے نہ کہ اصطلاحی فساد پر سو نفس الامری صحت و فساد کا منقح کرنا ان فقہاء محدثین کا منصب ہے جو فراست ایمانی کے ساتھ وسیع النظر ہوں اور احادیث مرفوعہ و آثار موقوفہ پر مطلع ہوں ورنہ ہر عامی قاصر النظر اگر محض سند کے ضعف و صحت پر قبول و رد کا فیصلہ کرنا چاہیے تو بہت سے احکام و قضیے خارج از دین ہو جاوینگے اور نا واقعیہ شامل فی الدین ہو جاوینگے اور کیوں نہو سے کار بوزینہ نیست نجاری۔ بلکہ فن رجال نہایت صحیح قاعدہ ہے افسوس کہ فنون دینیہ میں تمام عقلاء کا اس پر عملدرآمد ہے مگر فن دین میں یہ قاعدہ قابل لحاظ نرہا۔ ہر قاصر النظر ناقص الفہم گرفتار ہوئے مسائل دینیہ کا فیصلہ کرنے بیٹھ جاتا ہے اور نہیں سمجھتا ہے کہ احادیث کی تدوین قرن تابعین کے بہت بعد ہوئی ہے جملہ ارشادات نبویہ کا بوسائط معتبرہ زمانہ دراز تک منقول ہونا محال عادی ہے لا محالہ پچھلے رُوات اخبار کے حالات پر نظر کر کے حکم صحت و ضعف لگائیں گے مگر یہ حکم خود ہمارا اجتہادی فیصلہ ہے اپنے علم کے موافق جیسا ہم نے سمجھا دیسا حکم لگایا مگر بشری علم میں خطا کا امکان غالب ہے سو ممکن ہے کہ جس کو ہمنے صحیح سمجھا وہ ضعیف ہو اور ضعیف صحیح ہو لا محالہ اس تردد کی کش مکش میں عہد صحابہ و تابعین کا تعامل و توارث تلاش کرنا پڑا اُس سے جو پہلو ارجح ثابت ہوا اس کو ماننا پڑا خواہ وہ پہلو حدیث ضعیف کی مطابق تھا خواہ حدیث صحیح کی موافق بہرحال محض سندات پر بنائے فیصلہ نہیں ہوسکتا ہے بلکہ عہد نبوت کے عمل درآمد پر مدار فیصلہ ہے مثل مشہور قصہ زمین برسر زمین کا یہی مطلب ہے کہ واقعہ کے گرد و پیش کے حالات ہی اصل حال کو روشن کر سکتے ہیں دور بیٹھے بعد کی لوگوں کے بیانات سے اصل حال پر تاریکی ہی بڑھتی ہے۔ الحاصل حدیث جر نفع بیشک ضعیف السند ہے مگر تمام صحابہ و تابعین کا عمل

درآمد اُس کے موافق ہی لہذا وہ نفس الامر میں صحیح ہی اور قابل قبول ہی مگر مراد اُس سے منافع غیر مشروطہ کی حرمت قرض میں ہی اور جو سود کہ وقت قرض ٹھہرالیا گیا ہو وہ جر منفعۃ کا مدلول نہیں ہی وہ تو بنص قرآن حرام ہی اس حدیث کو اُس سے کوئی تعلق نہیں ہی علامۂ مصری کی کم فہمی ہی کہ قرض کے سود معین کو محرم بالقرآن نہیں سمجھتا ہی بلکہ اس حدیث سے اُس کو نکالتا ہی پھر اس حدیث کو ضعیف بتا کر اُس کی حرمت کو غیر ثابت جتاتا ہی۔ بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہ ولما یاتھم تاویلہ یعنی انہوں نے جھٹلایا ہی ایسی بات کو جسکو خوب نہ سمجھ سکے اور ابھی تک اُس کی حقیقت اُن پر نہیں کھلی ہی۔

علامۂ مصری کا فقہائے امت پر بیجا الزام

علامۂ موصوف نے افسوس ہی کہ نہایت گستاخانہ پیرایہ میں فقہائے سلف پر یہ الزام لگایا ہی کہ اُنہوں نے کھری چاندی کو کھوٹی چاندی کی برابر کردیا ہی اور گراں گندم کو ارزاں گندم کے مساوی کردیا ہی۔ سو اس کا جواب یہ ہی کہ کسی فقیہ اُمت نے ایسا نہیں کیا ہی بلکہ خود نبی رحمت نے ایسا کیا ہی اور بجا کیا ہی اگر مبادلات جنسی میں وصافی تفاوت پر تفاضل کا جواز ہوتا تو عیار بنیوں کی بن آتی اور سادہ لوحوں کی خوب گت بنا کرتی اسلام بیشک مجانس اشیا میں اصول مساوات کا حامی ہی اُس نے جب اشرف المخلوقات میں باوجود تفاوت صفات النفس بالنفس کا قانون عام وضع کیا ہی تو معدنیات اور نباتات میں اصول مساوات کا حامی کیوں نہوتا۔ اعتراض کرنا ہی تو فقہائے امت پر نہ کرو بلکہ نبی رحمت علیہ السلام پر کرو اُسی نے ارشاد فرمایا ہی۔ جَیِّدُھَا وَرَدِیُّھَا سواء یعنی اشیاء مجانسہ میں کھرا کھوٹا برابر ہی افسوس ہی کہ قریشی و تنبولی کی مساوات پر تمام روشن خیال فخر و مباہات کریں اور جمادات میں مساوات پر طعن و تشنیع پیش کریں افسوس کہ علامۂ موصوف نہ کامل العقل ہی اور نہ کامل الایمان بلکہ تمدن یورپ کا

دلدادہ ہی تکمیل خواہشات اُس کا کیش و مذہب ہی کہ محرمات قرآنیہ کو حلال کرتا ہی مسلمانوں
خوب سمجھ لو کہ نا مسلم اقوام جسقدر بدی میں بڑہیں گے اسیقدر نعمائی دنیوی اس پر فراخ ہونگی
مگر مسلم اقوام کی ترقی کا پہلو دوسرا ہی بحق کفار ارشاد ہی فلما نسوا ما ذکروا بہ فتحنا علیہم
ابواب کل شئی یعنی جب وہ ہماری آخرت یاد دلانے والی آیات کو بھول گئے تو ہم نے
اُن پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے۔ ایسی ترقی استدراج کہلاتی ہی جس کا مبنی غضب
الٰہی پر ہوتا ہی۔ مسلمانوں کی ترقی عمل صالح پر موقوف ہی ارشاد خداوندی ہی۔ وعد اللہ الذین
امنوا وعملوا الصالحات لیستخلفنہم فی الارض یعنی اللہ نے وعدہ کیا ہی اُن سے جو ایمان
لاکر عمل صالح کرینگے کہ ہم اُن کو اپنا نائب السلطنت بنا دینگے۔ مسلمانوں تم ترقیات دنیاوی
میں ضرور قدم بڑھاؤ مگر خلاف قرآنی سے قدم ہٹاؤ ایسی ترقیات دنیاوی کے طالب ہو
جن کی تہ میں ایمانی تجلیات مستتر ہوں ورنہ تہدید خداوندی ہی کہ ومن یفعل ذلک فاولئک
ہم الخاسرون یعنی جو لہو دنیاوی میں پڑینگے وہ آخرت میں ٹوٹے والے بنیں گے۔
تعالیم نبویہ کا ثبوت اصل میں تعامل صحابہ و تابعین پر موقوف ہی نہ کہ اسانید احادیث پر
کیونکہ فن حدیث تقریباً ایک صدی بعد عہد نبوت سے بضرورت شروع ہوا ہی اُس سے
پہلی صحابہ کا عمل درآمد پچھلوں کے لیے حجت تھا پھر اسیطرح تابعین کا عمل درآمد بعد والوں
کے لیے حجت رہا پھر فتنہ دینی شروع ہوا بہت سی غلط روایات اور بددینیاں دین میں داخل
ہونی شروع ہوئیں لہذا اللہ پاک نے دین کی حفاظت کے لیے محدثین کو تنقید اخبار کے لیے
پیدا کیا تاکہ بددینیوں کی آمیزش سے اخبار صحیحہ جدا ہو جاویں سو بہت بڑا ذخیرہ اُن کی انتھک
تجسس ہی روایات صحیحہ کا جمع ہو گیا مگر اُن کے فرط احتیاط سے ذرا ذرا شبہ پر کچھ حدیثیں قسم
صحیح سے نکلکر قسم ضعاف میں معدود ہو گئیں اور ہونا بھی چاہئے تھا کیونکہ واقعات کو جتنا
بُعد زمانی ہوتا جائیگا ویسا ہی اُن کی نقل میں اشتباہ بڑھتا جائیگا کہ ہر درجہ میں ذات معتبر کا
ملنا مادۃً کم ہوتا ہی ہر وقت مشاہد ہی کہ دائرہ نقل بر رنگ انفراج زاویہ بعیت انبساط پذیر

ہوتا رہتا ہے ہر کس و ناکس اس کو نقل کرنے لگتا ہے مگر عقلاً یہ بھی لازم نہیں ہے کہ نامعتبر راوی کی خبر نفس الامر میں غلط ہوا کرے ہاں محض اس کے سننے سے اس پر اطمینان نہیں ہوتا ہے جیسا کہ معتبر آدمی کی خبر پر اعتماد پر ہوتا ہے لہذا ضرورت ہوئی کہ اس کی تحقیق بذرایع اخری کیجاوے اس تحقیق کا نام تبین وتجسس ہے جس کا حکم قرآن پاک میں ہے۔ ان جاءکم فاسق بنبإ فتبینوا سو اس تبین کے لیے اللہ پاک نے ہر عصر میں فقہا لطیف الفہم ماہرین حدیث کو پیدا کیا تاکہ اخبار محتملۃ المعانی صحیحہ میں یا احادیث ضعیفۃ السندات میں جانب حق کو باطل جانب سے ممتاز کریں اور اس پر مسائل کی بنا قایم کریں اس تحقیق غائر کا نام باصطلاح فقہ درایت ہے اور تنقید رواۃ کا نام روایت سو اب غور طلب یہ ہے کہ اگر کوئی حدیث بقاعدہ روایت ضعیف ہو اور بقانون درایت صحیح ہو تو آیا اس کو قبول کریں یا رد کریں تو کل محدثین وفقہا کے نزدیک وہ ضرور قبول کیجاویگی اور عقل سلیم بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ مثلاً دربار دہلی کی کوئی خاص خبر ہم کو بذریعہ غیر معتبر آدمی ملی ہو پھر اس کی تصدیق ذرایع اخری سے ہو گئی ہو تو پھر اس کے رد کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی ہے سو ایسی ہی ہم کو کوئی حدیث بسند ضعیف پہونچی ہو مگر اقوال و اعمال صحابہ و تابعین سے اس کی تائید خوب ہوتی ہو تو وہ حدیث نامردود نہوگی بلکہ مقبول ہوگی چنانچہ گزشتہ حدیث مضاربت اور حدیث اختلاف متبایعین کی نسبت ہم نیل الاوطار سے عبارت محدثین نقل کرچکے ہیں سو اسی قسم کی حدیث جر نفع ہے کہ تمام صحابہ و تابعین و ائمہ مقبولین نے اس کو قبول کیا ہے اور قرض پر ہدیہ کو بے تکلف مکروہ سمجھا ہے اب اگر کوئی علامہ مصری کے عذر لنگ پر اس حدیث کو بوجہ ضعف سند رد کرنے لگے تو اول تو عقل سلیم کے خلاف ہے۔ دوسرے قرآن پاک کے بھی سراسر خلاف ہے ارشاد خداوندی ہے ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدی ویتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولی ونصلہ جھنم وساءت مصیرا یعنی جس نے ہمارے رسول کا خلاف کیا اس کی بتائی ہوئی راہ کو سمجھنے کے بعد اور چلا اور راہ پر مومنین کی راہ کے سوا تو ہم

اُس کو جانے دینگے جدہر کو پیرا ہی اور پہنچائیں گے اس کو جہنم میں اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہی۔ اب علامہ معری اور اُس کے ہم خیال غور کریں کہ حدیث جبر نفع کو نہ ماننا تمام صحابہ وتابعین وغیرہم کی راہ کو چھوڑنا ہی اور رسول علیہ السلام کی ہدایت سے پہرنا ہی جس کا انجام جہنم میں جانا ہوگا تو ضروری ہوا کہ اپنی ناقص فہم کے بہروسہ جمہور سلف کے اجماعی مسئلہ کا خلاف نہ کریں۔

مؤلفِ رسالہ کی ضروری عرض

ہم نے یہاں تک اُن خدشات کا قلع وقمع کر دیا ہی جو آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ پر اکثر کم فہموں کے دلوں میں گذرتے تھے اور جنکی بدولت قرآن پاک کی تاویل بہر رنگ تحریف اور حدیث کی توجیہ برنگ تردید کیجاتی تھی سو ان خدشات کے دفع کے بعد آیات واحادیث کا صحیح مطلب اور ہر قسم ربا کی حرمت کا علم ہر فہمیدہ طالب حق کے ذہن میں اس طرح منقش ہوجاویگا کہ کبھی بھی نہ نکلیگا اور کسی ہوا پرست کی تشکیک اور تحریر اس کے بالمقابل اُس کے دل میں جم نہ سکیگی مگر چونکہ یہ تحقیق ندرت کا پہلو لیے ہی اس لیے گذارش ہی کہ اس کو مکرر سکرر ملاحظہ فرماویں اور سرسری مطالعہ پر اس کے رد کا ارادہ نہ فرماویں

> جواب بے اندیشہ نباید صواب

حکیمانہ مقولہ ہی۔ مگر یہ بھی واضح ہے کہ ہماری اس تحقیق کو اس سے کوئی تعلق نہیں ہے کہ غیر دار الاسلام میں یا بنکہائی موجودہ میں روپیہ جمع کر کے کچھ نفع حاصل کرنا ربا قرآنی کے تحت میں داخل ہی یا نہیں یہ ایک بحث نہایت طویل الذیل ہی جس کا فیصلہ مستقل رسالہ پر ہو سکتا ہی خدا تعالے کو منظور ہی تو بعد اس کے کہ قدیم تعلیم والے اور جدید تعلیم والے اس تحقیق کی نسبت کوئی صحیح رائے قایم کر کے ہم کو مطلع فرماویں اُس بحث لطیف دقیق

پر بھی قلم فرسائی کیجاویگی اگر کچھہ فریقین کو ادنیٰ میں زلات بشری لاحق ہیں اوسکو ظاہر فرمائیں کرکے حق
نفس الامری بتوفیق و تعلیم خداوندی ظاہر کیا جاویگا۔ اور امام اعظم کا لطف ماخذ دکھا کر شکل جواز کو عدم
جواز سے متمائز کیا جاویگا فضل خدا سے امید ہے کہ وہ نادر تحقیق بھی فیصلہ کن ہوگی وما ذلک علی اللہ العزیز ۱۲
ہذا ما عندی بفضل ربی وہو اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب وصلی اللہ تعالےٰ علی خیر خلقہ وحبیبہ وعلی
آلہ وصحبہ اجمعین۔ فقط المرقوم ۴۔ محرم ۱۳۳۳ھ

فہرست غلط نامہ کشف الغطاء عن معنی الربا

صفحہ سطر	غلط	صحیح	صفحہ سطر	غلط	صحیح
۳/۱۹	انوس	قاموس	۳۸/۱۰	اجازت	حاجت
۷/۱۴	استنمال	احتمال	۳۹/۱۴	مخارجہ	من وجہ
۸/۹	نورا	عورہ	۴۴/۲	نہوتا	ہوتا
۱۲/۱۵	تضائف	تضاعف	۴۵/۷	کمال لحافظ	کمال کا لحاظ
۱۴/۷	بجنس اسی	بجنس اشیاء اس	۴۷/۲	وزن تفاوت	وزن کا تفاوت
۱۴/۱۱	بدلنے	بدلین	۴۹/۱۱	بیچ کا	بیع کا
۱۸/۱۴	یہ بھی	یہ نہی	۵۰/۹	اور وجود	اور اجود
۱۹/۹	نہ کیا	نہ لیا	۵۱/۱۰	جانب	جالب
۱۹/۱۴	تضاعف لینے	تضاعف سود لینے	″/۱۰	بیع کا	بیچ کا
۲۳/۲۰	گہڑوں	گھروں	۵۲/۱۸	امکان	فیما کان
۲۴/۳	اور اس	مشرکین	۵۳/۸	فتوحات	قوت
۲۶/۹	ہوا اکلا	ہوا اگلا	۵۶	کے صل	کے متصل
۳۱/۱۹	اصول ہے	اصول سے	۶۳/۱۳	انسان عرب	لسان عرب
۳۳/۱	ادا کے	ادا کرنے	″/۱۹	قرآن صحابہ	قرن صحابہ
۳۳/۳	تینو	تینوں	۶۶/۱۲	″	″
۳۴/۱۲	بدل	بدل موجل سے	۶۷/۳	ردکاگیا	رد کیا گیا
۳۵/۲	عبارۃ وبعض	عبارۃ النص	۶۷/۱۲	بادینوں	بدینوں
۲۵/۱۱	تغیرہ	لتغیرہ			

نعم الوفاق وبئس الشقاق

اب وقت آگیا ہی کہ مسلمانوں کے دینی و دنیوی مناقشے کبھی کے ماتھے طے ہو جاویں اور اسکی شکل صرف یہی ہی کہ قرآن پاک
کو ہم اپنا دستور العمل بناویں اور ایکدوسرے کو اوسمیں غلط فہمی سے بچاویں۔ قدیم و جدید تعلیم والوں میں بحث و مباحثہ
پھیلی ہوئی ہی اور علما دین میں مقلدی و غیر مقلدی کا ناگوار جھگڑا قائم ہی ہماری دلی تمنا ہی کہ بہت جلد دنیاوی معاملات
قومی کو علما و عقلا ملکر طے فرمایا کریں اور دینی منافشات کو محدثین و فقہا رفع فرمایا کریں غرض ایکدوسرے کا
ہمسفیر و ہم آہنگ ہو افتراقی گروہ بندی سے قومیت کا شیرازہ منتشر ہو چکا ہی اسکا علاج سب پر فرض مشترک ہی۔

نہایت مسرت کا مقام ہی کہ مولف ممدوح اسوقت طبقہ علما میں ایک برگزیدہ صاحب ایسے متدین و روشن خیال ہے
اون کے زور قلم سے جیسے ابھی حال میں ایک مبسوط رسالہ (الفرقان فی قراۃ ام القرآن) شائع ہوا ہی جس سے فتنہ
غیر مقلدی کی غلط فہمیاں بہت کچھ دور ہو چکی ہیں اور طرفین کے سنجیدہ حضرات نے اوسکو بنظر استحسان دیکھا ہی ایسے ہی
یہ رسالہ (کشف الغطاء عن معنی الربا) بھی ہی اسکے مضامین نہایت گرانقدر ہیں آجتک ہماری نظر سے ویسا رسالہ نہیں
گذرا جو تمامی شبہات کو رفع کر سکے اور ہر حکم شرعی کی سچی فلاسفی سمجھا سکے۔ اسمیں جیسے بعض قدیم مولفین کی اجتہادی
خطاؤنکی تشریح ہی ایسے ہی جدید تعلیمیافتہ عقلا کی ناصواب مادی کی توضیح ہی دونوں طبقے کے فہمیدہ حضرات کو
اسپر کامل غور کرنا چاہئے اور بعد اطمینان واثق دینی چاہئے علاوہ اسکے دو رسائل قبل مولف ممدوح نے بغرض رفع
اختلاف مذموم تالیف کیے ہیں جن سے امید غالب ہے کہ گروہ اہلحدیث کی خطا فہمیاں آفتاب نیمروز کیطرح نمایاں
ہونگی اور امام ابو حنیفہ کی موشگافیاں علمی مذاق والوں پر نمایاں ہونگی ہر ایک رسالے میں ہر ایک موضوع کی متعلق تمام
ممکن الحصول احادیث کو جمع کرکے ہر ایک حدیث پر محدثانہ مورخانہ فقیہانہ بحث کیگئی ہی اور آخری نتیجہ ایسا خوبصورتی سے
نکالا گیا ہی کہ کوئی اوس سے انکار نہیں کر سکتا ہی غرض مولف ممدوح نے تحقیقی مباحث کی کایا پلٹ کر دی ہی مناسب
ہی کہ تاجران کتب یا قوم کے ذی حوصلہ اہل دول ایسے مفید و نادر تالیفات کو طبع کراکر تمام مسلمانوں پر احسان فرماویں
وہ رسائل یہ ہیں۔ تسر الناظرین فی سر التامین۔ الاحادیث المعتبر فی رکعتی الفجر۔ الاذان الا قامۃ۔
بیع بضاعۃ۔ القرآن۔ ارتقاء۔ ایصال الثواب۔

اللہ تعالی ان ضروری و نادر تالیفات کے طبع کا جلد تر سامان طبع پیدا کیے و ذالک علی اللہ بعزیز والسلام
فقط المتکلف بندہ غلام رسول حیدرآبادی خادم مولف ممدوح۔